شہر کے قیدی
اشتیاق احمد

دوسرا حصہ
بسم اللہ الرحمن الرحیم
محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز نمبر ۴۹
شہر کے قیدی
اشتیاق احمد

طابع : اشتیاق احمد نقش محمد
مطبع : زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور
خوشنویس : محمد عبدالستار، راجہ جنگ
قیمت : [illegible] روپے پچاس پیسے

مکتبہ اشتیاق راجپوت مارکیٹ اردو بازار لاہور

دو باتیں

دشمن شہر کے آخری صفحے پر پہنچنے کے بعد آپ کو مجھ پر زیادہ غصہ اس لیے نہیں آیا ہوگا کہ شہر کے قیدی اس کے ساتھ ہی بازار سے خرید لیا ہوگا یا آخری صفحہ پڑھنے کے بعد بازار دوڑے گئے ہوں گے۔ بھئی کیا کیا جائے۔ بعض کہانی طول کھینچ جاتی ہے۔ اب اگر اس کہانی کو دشمن شہر میں ہی ختم کر دیتا تو یہ نہ صرف اس کے ساتھ ناانصافی ہوتی، بلکہ خود اپنے ساتھ بھی۔ اب میں تین تین ناانصافیاں تو کرنے سے رہا۔ خدا مجھے ایک ناانصافی سے بھی بچائے۔ امید ہے، معاف فرمائیں گے اور ٹھنڈے دل سے شہر کے قیدی پڑھیں گے یوں بھی موسم سرما ہے، گرم دل آپ کہاں سے لائیں گے۔

اب اگر یہ دونوں ناول آپ کو خاص تیز معلوم ہوں اور ضرورت سے زیادہ پسند بھی آئیں تو یہ فرمائش نہ کر بیٹھئے گا کہ اب ناول اسی طرح پیش کیے جائیں، کیونکہ یہ حالات و واقعات کی بات ہے۔ کہانی کے مزاج کا معاملہ ہے، میرا یا آپ کا نہیں۔

خدا حافظ۔

اشتیاق احمد

چکے ہیں۔"

"ہوں! آپ کی بات نہایت معقول ہے۔" محمود نے اطمینان ظاہر کیا۔

اچانک ٹیکسی کی رفتار سست پڑتی نظر آئی اور وین دور ہونے لگی۔

"یہ کیا ہوا مسٹر، رفتار کم کیوں کر دی؟" انسپکٹر جمشید نے چونک کر ڈرائیور کی طرف دیکھا۔ اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے تھے اور آنکھوں سے پریشانی کا اظہار بھی ہونے لگا تھا۔

"ہم، یہاں اس وین کا تعاقب نہیں کر سکتے، سوری۔"

"کیوں، کیا ہوا؟" وہ حیران رہ گئے۔

"یہ وین موٹانات کے آدمیوں کی ہے۔ موٹانات کے کسی آدمی کی گاڑی کا تعاقب کرنا اس جگہ جرم کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے کسی آدمی کا تعاقب بھی نہیں کیا جا سکتا۔" اس کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی۔

"لیکن تمہیں کس طرح معلوم ہوا کہ وہ وین موٹانات کے آدمیوں کی ہے؟"

"ٹیکسی وین کے نزدیک پہنچی ہی تھی کہ اس کی پشت پر سرخ بلب جل اٹھے۔ ننھے ننھے بلبوں سے موٹانات لکھا ہوا صاف دکھائی دیا تھا۔ یہ نام پڑھتے ہی میں نے رفتار کم کر دی۔ اگر میں ایسا

کرتا تو میری تباہی میں کوئی شک نہیں رہ گیا تھا۔" اس نے کہا۔

اب ٹیکسی کی رفتار اس قدر آہستہ ہو چکی تھی کہ اس سے تیز وہ خود دوڑ سکتے تھے۔

"تمہاری تباہی؟ کیا تم وضاحت نہیں کر سکتے؟" فرزانہ بے چین ہو کر بولی۔

"ہاں، کیوں نہیں۔ نہ رکنے کی صورت میں وین رک جاتی اور پھر اس کا رخ میری طرف ہو جاتا، پھر وین سے گولیوں کی ایک بوچھاڑ ماری جاتی اور ـــ اور پھر جو نہ ہو جاتا، وہ کم تھا۔"

"پھر تو آپ نے اچھا کیا کہ رفتار آہستہ کر لی۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر جواب دیا۔

"سوال یہ ہے کہ آپ موٹانات کے آدمی کی گاڑی کا تعاقب کیوں کر رہے تھے؟"

"اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ تعاقب کا نتیجہ یہ نکلے گا تو ہرگز تعاقب نہ کرتے۔" انہوں نے اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے کہا۔

"آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"ہم موٹانات کا ہیڈکوارٹر تلاش کرنے کے چکر میں ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"یہ ـــ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" ڈرائیور چلایا۔

"غلط کہنے کی تو ہمیں عادت ہی نہیں ہے جناب" فاروق گنگنایا۔
"اب میرے لیے کیا حکم ہے۔ میں آپ کو کہاں اتاروں؟"
"اس ملک کی فضائی کمپنی کے دفتر کے سامنے۔ ہمیں سیٹیں
بک کرانا ہیں۔"
"جی بہت بہتر۔" اس نے کہا اور ٹیکسی کا رخ موڑ دیا۔
"کیا تم ہمیں مونتاف کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو؟"
"آپ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں؟"
"مونتاف کون ہے؟" فاروق بول اٹھا۔
"یہ تو کوئی بھی نہیں جانتا۔ سوائے مونتاف کے۔"
"گویا وہ پورے شہر پر حکومت کر رہا ہے۔ اس کے آدمیوں
کا تعاقب نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے آدمیوں کو گرفتار نہیں کیا جاتا۔
پولیس افسر اس کے خلاف کوئی رپورٹ درج کرنے پر تیار نہیں ہوتے
کیوں، یہی بات ہے نا۔" انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔
"جی ہاں، یہی بات ہے۔ اس وقت پورے شہر پر اس کا کنٹرول
ہے۔" اس نے کہا اور ٹیکسی میں خاموشی چھا گئی۔
تھوڑی دیر بعد وہ فضائی کمپنی کے دفتر کے سامنے کھڑے تھے۔
اور ٹیکسی ڈرائیور جا چکا تھا۔ دفتر کی طرف قدم اٹھاتے وقت ان
کے دل دھک دھک کر رہے تھے۔ آخر ایک کاؤنٹر پر جا کر انسپکٹر
جمشید نے اپنے ملک کا نام بتایا اور بولے:

"چار ٹکٹ آج کی تاریخ کے اگر مل سکیں۔"
"ایک منٹ پلیز۔"
یہ کہہ کر اس نے کمپیوٹر نما ایک آلے کا رخ ان کی طرف
کر دیا اور پھر ایک بٹن دبایا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے کہا:
"سوری، آپ کو پرواز کے ٹکٹ نہیں مل سکتے۔"
"کیوں؟" انسپکٹر جمشید تیز لہجے میں بولے۔
"اس لیے کہ آپ مونتاف کے قیدی ہیں۔ ہمیں اس کی ہدایات
مل چکی ہیں۔ آپ کے چہرے ابھی ابھی چیک کیے گئے ہیں۔ جواب
ملا۔ پابندی آپ لوگوں کے لیے ہی ہے۔"
"تو کیا اب بکنگ کے لیے آنے والے ہر شخص کا چہرہ پہلے
کمپیوٹر کے ذریعے چیک کیا جائے گا؟"
"ہاں، اس میں دیر ہی کتنی لگتی ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں
کہ کتنا وقت صرف ہوا ہے؟"
"ہاں، دیکھا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمام سرکاری محکموں
میں بھی مونتاف کا ہی حکم چل رہا ہے۔"
"اس کا حکم نہ مان کر ہم لوگ تباہی مول نہیں لے سکتے۔
پولیس بھی اس کے آدمیوں سے نہیں نپٹ سکتی۔ ایسے واقعات
آج سے چند سال پہلے پیش آتے تھے۔ اسی وقت مونتاف کا
نام سننے میں آنے لگا تھا۔ کچھ لوگوں نے اس کا حکم ماننے سے

انکار کیا تو اس کے آدمی شین گنیں اور دوسرا اسلحہ لے کر آ
گئے۔ ان سے بچاؤ کے لیے پولیس کو فون کیا گیا، لیکن پولیس
اس وقت جائے واردات پر پہنچی، جب مونٹاف کے آدمی سب کچھ
تہس نہس کر کے جا چکے تھے۔ اور اب تو حالات یہ ہیں کہ
پولیس اتنا بھی نہیں کرتی۔ یعنی اگر کہیں مونٹاف کے آدمی
کوئی کارروائی کرتے ہیں تو وہ اس کارروائی کے بعد بھی نہیں
آتے۔ ہر محکمہ میں مونٹاف کا حکم مانا جاتا ہے۔ کبھی کسی پولیس
افسر یا کسی سرکاری افسر نے اس بات پر اعتراض نہیں کیا، لہٰذا
آپ کو ٹکٹ کیسے دے دیے جائیں۔ آپ اس شہر سے باہر جانے
کا خیال ترک کر دیں۔ یہ آپ کے لیے ممکن نہیں رہا۔" وہ کہتا چلا
گیا۔ آخر اس کے خاموش ہونے پر انسپکٹر جمشید بولے۔

"مونٹاف کا نام پہلی مرتبہ اس شہر میں کب سننے میں آیا؟"

"آج سے تقریباً پانچ سال پہلے۔ اور مونٹاف خود نہ جانے
کب سے ان کوششوں میں لگا ہوا تھا۔"

"لیکن شروع میں تو پولیس نے ضرور اس کی کارروائیوں کے
خلاف نوٹس لیا ہوگا۔"

"بہت معمولی۔ دراصل اس نے سب سے پہلے پولیس والوں کو
ہی اپنے قبضے میں کیا تھا۔ اس کے بعد ہی اپنی کارروائیاں شروع کی
تھیں۔ رفتہ رفتہ ساری پولیس اس کا دم بھرنے لگی۔"

"تو کیا آپ کے خیال میں پولیس چیف اور کمشنر صاحب جیسے
لوگ بھی اس کی مٹھی میں ہیں؟"

"پولیس چیف تو مکمل طور پر اسی کا آدمی ہے، البتہ کمشنر
صاحب کے بارے میں سننے میں آتا ہے کہ مونٹاف کا مخالف ہے اور
اس کے خلاف ڈٹا ہوا ہے۔ جس روز بھی وہ پولیس چیف اور چند
دوسرے افسروں کو تبدیل کرانے میں کامیاب ہو گیا۔ شاید اسی روز
مونٹاف کی مصیبت کے دن شروع ہو جائیں گے۔"

"تو مونٹاف کمشنر کو اپنے راستے سے کیوں نہیں ہٹا دیتا؟"
انہوں نے سوال کیا۔

"کمشنر صاحب کا ذاتی دستہ حد درجے ایماندار اور وفادار ہے۔
وہ جان پر کھیل کر بھی ان کی حفاظت کرے گا۔ شاید اسی لیے مونٹاف
نے کمشنر صاحب کو نہیں چھیڑا۔ یوں بھی کمشنر صاحب کی وجہ سے
اس کے کسی کام میں کوئی رکاوٹ نہیں پڑتی۔"

"آپ لوگ ان حالات میں مطمئن ہیں؟" انسپکٹر جمشید نے
پوچھا۔

"مطمئن کی بجائے ہم مجبور ہیں۔ کر بھی کیا سکتے ہیں۔"

"شہر سے باہر یہ حالات دوسروں تک کیوں نہیں پہنچاتے؟"

"ہر شخص ڈرتا ہے کہ مونٹاف کو پتا چل جائے گا اور وہ
اس کا نام و نشان تک مٹا دے گا۔"

"ہوں' ہم سمجھ گئے۔ اچھا جناب' آپ کا بہت بہت شکریہ
ہم نے آپ کا بہت وقت ضائع کیا۔"
"کوئی بات نہیں' آپ کو مطمئن کرنا تو میرا فرض تھا۔"
اور وہ دفتر سے باہر نکل آئے۔ اب وہ خود کو سچ مچ
اس شہر کا قیدی محسوس کر رہے تھے۔

○

"یہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے' جیسے ہمارے شہر میں ایک شخص
بھی ہمارا ہمدرد نہ ہو۔" سڑک پر چلتے ہوئے محمود بولا۔
"کم از کم دو آدمی ہمارے ہمدرد موجود ہیں۔ ایک سفارت خانے
کے آفیسر' دوسرے مسٹر راجہ ڈین۔" فرزانہ نے انکار میں سر ہلایا۔
"لیکن راجہ ڈین بے چارہ تو اپنی کوئی مدد نہیں کر سکتا'
ہمارے کیا کام آئے گا۔"
"رہ گئے سفارت خانے کے آفیسر۔ وہ بھی شاید موٹاف کے
معاملے میں بالکل بے بس ہوں گے۔"
"موٹاف نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی ہمیں شہر میں گھومنے کی
اجازت دی ہے' ورنہ کون قبضے میں آئے ہوئے دشمنوں کو کھلا
چھوڑتا ہے۔"

"سوال یہ ہے کہ اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟"
"ہم سفارت خانے کے افسر سے ایک بار پھر ملیں گے اور
پوچھیں گے کہ وہ ہمارے لیے کیا کر سکتے ہیں۔ ہم مسٹر راجہ ڈین
سے بھی ملیں گے۔ وہ مجھے پر اسرار سا آدمی لگتا ہے۔ کمزور ترین
یادداشت کے آدمی بھی ایسے نہیں ہوتے' جیسا وہ ہے۔ ہم اسے
بھی ٹٹولیں گے اور پھر موٹاف کے اڈوں میں سے ایک اڈے پر
ہے۔ اس سے ملنے کے بہانے جانا تو اور بھی مفید ثابت
ہوگا۔"
"کیا آپ کمشنر صاحب اور پولیس چیف سے دوبارہ ملاقات
نہیں کریں گے؟"
"شاید یہ بھی کرنا پڑے۔ اور ہاں' ہم ہوٹل ہیون بھی تو
جائیں گے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔
"بلکہ میں تو کہتا ہوں' سب سے پہلے وہیں چلیے۔ ہوٹل کا
منیجر بھی کچھ کم پر اسرار نہیں ہے۔ اس کے پاس موٹاف
کا کارڈ تک موجود تھا جو اس نے ہمیں دیا تھا۔ کارڈ کے بارے
میں اس نے جو کہانی سنائی تھی' کیا وہ سچی ہے۔ اس نے کہا تھا
کہ اس کے ایک دوست صوفی جبار نے اسے یہ کارڈ دیا تھا۔ یہ
بات بھی عجیب لگتی ہے۔"
"تب تو ہمارے لیے کافی کام ہے۔" فرزانہ بولی۔

"لیکن سب سے پہلے کیوں نہ ہم راجہ ڈین سے ملاقات کریں" انسپکٹر جمشید بولے۔

"چلیے یونہی سہی" وہ ایک ساتھ بولے۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک بار پھر راجہ ڈین کے دروازے پر دستک دے رہے تھے۔ فوراً ہی دروازہ کھلا اور اس کی صورت دکھائی دی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے وہ سو کر اٹھا ہو۔ اس کی پلکیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔

"معلوم ہوتا ہے، آپ سو رہے تھے" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جج جی۔۔۔ جی ہاں، شاید یہی بات ہے" اس نے بے یقینی کے عالم میں کہا۔

"شاید۔۔۔ اس میں بھی شاید ٹپک پڑا" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"شش، شاید" اس کے منہ سے نکلا۔ انہوں نے مشکل سے ہنسی روکی۔

"کیا آپ ہمیں اندر آنے کے لیے نہیں کہیں گے" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اوہ جی۔۔۔ جی ہاں، بات دراصل یہ ہے کہ اندر میرے ڈاکٹر صاحب آئے ہوئے ہیں، میں ان سے اپنی یاد داشت کا علاج کرا رہا ہوں"

"آپ فکر نہ کریں، ہم ڈاکٹر صاحب کے کام میں خلل نہیں ڈالیں گے"

"تو پھر آئیے" اس نے راستہ دیتے ہوئے کہا۔

دوسرے کمرے میں ایک کرسی پر انہیں ڈاکٹر کا لباس پہنے ایک شخص نظر آیا۔ وہ چند لمحے تک اسے دیکھتے رہے، پھر انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ ہیں آپ کے ڈاکٹر" یہ کہہ کر انہوں نے ڈاکٹر سے ہاتھ ملایا، پھر ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے بھی ان کا ساتھ دیا۔

"تو مسٹر راجہ ڈین، اب میں چلتا ہوں۔ امید ہے کہ آپ میری ہدایات پر پوری طرح عمل کریں گے"

"ضرور ضرور ڈاکٹر صاحب، آپ کا بہت بہت شکریہ" راجہ ڈین بولا۔

ڈاکٹر صاحب نے ان سے ہاتھ ملایا اور کمرے سے نکل گیا۔

"نہ جانے کیا بات ہے، جب بھی ڈاکٹر صاحب آتے ہیں، مجھے نیند بہت آنے لگتی ہے" راجہ ڈین بڑبڑایا۔

"ہو سکتا ہے، یہ آپ کو نیند کی دوا دیتے ہوں، اعصاب کو سکون دینے کے لیے آج کل ڈاکٹر صاحبان نیند کی دوائی دیتے ہیں" محمود بول پڑا۔

"ہاں، ڈاکٹر صاحب بھی یہی کہہ رہے تھے۔" راجہ ڈین بول پڑا۔ پھر چونک کر بولا:

"مم، مگر، آپ لوگ کون ہیں؟"

"ارے، آپ بھول گئے۔ ہم آج ہی تو دفتر میں آپ سے ملنے آئے تھے اور پھر یہاں بھی آئے تھے، لیکن یہاں مونشات کے چند آدمی موجود تھے۔ وہ ہمیں پکڑ کر لے گئے تھے۔"

"اوہ ہاں، اب یاد آیا۔ اف خدا، وہ لوگ کیوں آپ کو پکڑ لے گئے تھے؟"

"یہ ایک لمبی کہانی ہے، پھر کسی وقت بتائیں گے۔ آپ ڈاکٹر صاحب سے کب سے علاج کرا رہے ہیں؟"

"اچھی طرح یاد نہیں، شاید ایک ماہ سے۔"

"کیا آپ نے خود ڈاکٹر صاحب سے علاج کی درخواست کی تھی؟"

"جی، جی ہاں، کی ہی ہوگی۔" اس نے بے چارگی کے عالم میں کندھے اچکائے۔

"تو آپ کو یہ بھی یاد نہیں۔ خیر، ہم سمجھ گئے۔ آپ کی یادداشت حد درجے کمزور ہو چکی ہے۔ حیرت ہے، اس حالت میں آپ رابرٹ اینڈ کو کے دفتر میں کام کس طرح کر لیتے ہیں؟"

"وہاں میں ہر کام بخوبی کر لیتا ہوں۔"

تھوڑی دیر پہلے جب ہم آپ سے ملنے آئے تھے تو میں نے

آپ کے فلیٹ کی ایک ایک چیز غور سے دیکھنے کی درخواست کی تھی اور آپ نے میری درخواست منظور کر لی تھی۔ اسی سلسلے میں ہم اندرونی کمرے میں داخل ہوئے تھے، لیکن چونکہ وہاں مونشات کے آدمی موجود تھے، اس لیے غور سے دیکھنے والا کام نہیں ہو سکا تھا۔ اب اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو......"

"ہاں ہاں، ضرور۔ آئیے، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" اس نے جلدی سے کہا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

ایک بار پھر وہ اندرونی کمرے میں داخل ہوئے اور ایک ایک چیز کا بغور جائزہ لینے لگے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ ان کے والد کیا دیکھ رہے ہیں۔ اچانک ان کے منہ سے نکلا:

"اف خدا، تو میرا خیال ٹھیک ہی تھا۔"

تینوں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ وہ ایک الماری کے پٹ کھولے کھڑے تھے۔ ان کی نظریں الماری میں موجود کسی چیز پر جمی تھیں۔ وہ تیزی سے ان کی طرف بڑھے۔ انھوں نے دیکھا، الماری میں مختلف چیزیں بے ترتیبی کے عالم میں رکھی تھیں اور ان چیزوں میں سے جس چیز پر ان کے والد کی نظریں جمی تھیں۔ وہ ایک تعویذ تھا۔ تعویذ جو پرانے خیالات کے لوگ کسی بیماری وغیرہ سے بچنے کے لیے گلے میں ڈال لیتے ہیں۔ ایسے تعویذ عام طور پر اہل حضرات لکھ

کر دیتے ہیں یا پھر بازاروں میں چھپے ہوئے بھی ملتے ہیں۔

"کیا آپ اس تعویذ کو دیکھ رہے ہیں؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں، یہ تعویذ میرے دوست جبار کا ہے ۔۔۔ اسے اس کی والدہ نے دیا تھا۔"

"نہیں!" تینوں کے منہ سے خوف زدہ انداز میں نکلا۔

"ہاں، اس کی والدہ نے اسے نصیحت کی تھی کہ اس تعویذ کو ہمیشہ گلے میں ڈالے رکھنا، ہر مصیبت اور بلا سے محفوظ رہو گے ۔۔۔ صوفی جبار بہت پڑھا لکھا آدمی ہے۔ اس کے باوجود اس نے ماں کا حکم نہیں ٹالا اور اس تعویذ کو گلے کی زینت بنا لیا۔ میں نے بھی جب اس کے گلے میں یہ تعویذ لٹکتے دیکھا تھا تو اس کے بارے میں پوچھا تھا اور اس نے یہی بتایا تھا۔"

ان کے الفاظ سنسنی خیز تھے۔ عین اسی لمحے محمود کو خطرے کا ایک انجانا سا احساس ہوا۔ وہ بجلی کی طرح پلٹا اور اس کی یہ حرکت ہی انسپکٹر جمشید کو بچا گئی ۔

راستے بند ہیں

مڑتے ہی اس نے دیکھا ۔ راجہ ڈین کے ہاتھوں میں لوہے کا ایک مضبوط پائپ تھا۔ پائپ اس نے دونوں ہاتھوں میں پکڑ رکھا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ سر سے بلند ہو چکے تھے اور نشانہ اس کے والد کے سر کا تھا ۔ جوں ہی وہ پلٹا راجہ ڈین انسپکٹر جمشید کی بجائے اس پر حملہ آور ہوا ۔ اس نے بجلی کی سرعت سے ایک جست لگائی اور کمرے کے دوسری طرف پہنچ گیا ۔ اتنی دیر میں انسپکٹر جمشید بھی مڑ چکے تھے۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ فاروق اور فرزانہ نے بڑی مشکل سے خود کو دائیں بائیں گرا کر بچایا ۔۔۔ اب راجہ ڈین کے سامنے صرف انسپکٹر جمشید رہ گئے تھے! چنانچہ وہ پھر ان پر حملہ آور ہوا، لیکن اب وہ بھلا کہاں کامیاب ہو سکتا تھا۔ لوہے کا پائپ الماری کے ایک پٹ پر زور سے لگا۔

"مسٹر راجہ ڈین! آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ کیا آپ کی یادداشت واپس آگئی ہے؟"

"ہیں، میں تم لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"لیکن ہم نے کیا کیا ہے۔ ہم تو تمہارے مہمان ہیں — تمہاری اجازت سے تمہارے گھر میں داخل ہوئے ہیں۔" وہ بولے۔

"اس کے باوجود میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"اچھا چلو، تم ایسا کرنے کی کوشش ضرور کرو، لیکن اتنا تو بتا دو، یہ تعویذ یہاں کیسا رکھا ہے۔"

"تعویذ — کیسا تعویذ؟" اس نے حیران ہو کر کہا، پھر چونک کر بولا: "تعویذ کیا ہوتا ہے؟"

"یہ دیکھیے، یہ رہا۔" انسپکٹر جمشید نے اس کے پائپ کو نظر میں رکھتے ہوئے الماری میں سے تعویذ اٹھا لیا اور اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

"اسے تعویذ کہتے ہیں مسٹر راجہ ڈین، کیا یہ تمہارا ہے؟"

"نہیں — میں نہیں جانتا، یہ کیا چیز ہے۔" اس نے حیران ہو کر تعویذ کو دیکھا۔

"یہ میرے دوست کا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس فلیٹ میں آپ سے پہلے میرا دوست رہتا تھا — اس کی تصدیق تو شاید ہم چوکیدار سے بھی کر سکتے ہیں۔"

"تصدیق تم بعد میں کرنا، پہلے میرے اس ڈنڈے سے بچو۔"

یہ کہہ کر اس نے پاگلوں کی طرح ڈنڈا چلانا شروع کر دیا۔

وہ ادھر ادھر اچھل کود کر خود کو بچاتے رہے۔ یہ الٹ پلٹ جنگ تقریباً پانچ منٹ تک جاری رہی اور پھر راجہ ڈین دھم سے گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

"یہ — یہ اسے کیا ہوا۔" فاروق نے خوف زدہ آواز میں کہا۔

"بے ہوش ہو گیا ہے۔ کیا آنکھیں نہیں ہیں ماتھے پر۔" فرزانہ نے آنکھیں نکالیں۔

"ہاں، وہ تو خیر ہیں — میں یہ پوچھ رہا تھا کہ اسے ہوا کیا تھا؟"

"شاید اس کا دماغ چل گیا تھا — یا پھر یادداشت نے کوئی گل کھلایا ہوگا — میرے خیال میں یہ شخص عجیب و غریب شخص ہے۔"

"جی ہاں، اس میں کیا شک ہے۔" محمود بولا۔

"ویسے محمود، تم بہت بروقت چونکے، ورنہ میرا سر ضرور پھٹ گیا تھا۔" انسپکٹر جمشید نے محمود کی تعریف کی۔

انسپکٹر جمشید راجہ ڈین پر جھک گئے — اسے ہلایا جلایا، پھر باورچی خانے میں سے پانی کا گلاس منگا کر اس کے منہ پر چھینٹے مارے، تب کہیں جا کر اس نے آنکھیں کھولیں۔

"ہم — مجھے کیا ہوا تھا؟" وہ بڑبڑایا۔

"پتا نہیں، کیا ہوا تھا — کھڑے کھڑے گر گئے اور بے ہوش ہو گئے۔"

"نہ جانے مجھے کیا ہو گیا ہے ؛ بہر حال میں آپ لوگوں سے معافی چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں، یہ بتائیے، یہ تعویذ یہاں کیسے آیا؟"

"تعویذ، کیا مطلب؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔ وہ انگریزی میں باتیں کر رہے تھے، لیکن انسپکٹر جمشید کو تعویذ کی انگریزی نہیں سوجھی تھی۔

"یہ دیکھیے، اس قسم کی چیزوں کو لوگ مصیبت بلا یا جادو وغیرہ سے محفوظ رکھنے کے لیے گلے میں ڈال لیتے ہیں، لیکن مجھے یقین ہے، یہ آپ کا نہیں ہو سکتا۔"

اس نے محترم کا نپتے ہاتھ میں تعویذ لیا۔ اور اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہا، پھر انکار میں بولا:

"یہ چیز میری نہیں ہو سکتی۔"

"میرا بھی یہی خیال تھا۔ سوال یہ ہے کہ جب یہ چیز آپ کی نہیں ہے تو پھر یہاں کیوں موجود ہے؟"

"مجھ سے پہلے کرائے دار کی ہو گی۔ اس سے یہاں رہ گئی ہو گی۔"

یہی بات انسپکٹر جمشید کے حلق سے نہیں اتر رہی تھی۔ صوفی جبار اس تعویذ کو کبھی گلے سے نہیں اتارتا تھا اور اس کی حفاظت کا خیال حد درجے رکھتا تھا، پھر بھلا وہ یہاں سے جاتے ہوئے کس

طرح اسے یہاں چھوڑ گیا۔

"اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو اس تعویذ کو ہم اپنے پاس رکھ لیں۔ آپ کے تو یہ یوں بھی کام کا نہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی ہاں، ضرور رکھ لیں۔"

"آپ کو یاد آیا۔ تھوڑی دیر پہلے آپ نے ہم لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟"

"میں نے، نہیں تو۔ کیا میں نے کوئی برا سلوک کیا تھا؟" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"تو آپ کو کچھ معلوم نہیں؟"

"نہیں تو، آخر کیا بات ہے۔ میں نے کیا کیا تھا؟"

"آپ نے لوہے کے اس پائپ سے حملہ کیا تھا؟"

"ارے، یہ پائپ یہاں کہاں سے آ گیا۔ میں نے تو اسے پہلے کبھی یہاں نہیں دیکھا۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

انسپکٹر جمشید سوچ میں ڈوب گئے۔ راجہ ڈین ان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ یا تو وہ انہیں بے وقوف بنا رہا تھا یا پھر وہ واقعی کوئی بھولا بھالا قسم کا آدمی تھا۔ اچانک فرزانہ کو ایک خیال سوجھا۔

"یہ پائپ کہیں اس ڈاکٹر کا تو نہیں، جو ابھی ابھی آپ کو دیکھنے آیا تھا۔"

"ہو سکتا ہے، اسی کا ہو۔ مجھے یاد پڑتا ہے، جب وہ آیا

تھا تو یہ پائپ اس کے ہاتھ میں تھا۔" اس نے کھوئے کھوئے
انداز میں کہا۔

"اوہ" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا' پھر وہ جلدی سے بولے:

"اس ڈاکٹر کا نام اور پتا بتا سکتے ہیں آپ؟"

"نہیں' وہ عمارت کے مالک کی طرف سے کرائے داروں کا علاج
کرتا ہے۔"

"ٹھیک ہے' ہم چوکیدار سے معلوم کریں گے۔" یہ کہہ کر انہوں
نے تعویذ جیب میں رکھا' پائپ ہاتھ میں تھاما اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اچھا مسٹر راجہ ڈین' امید ہے' ہم پھر بھی ملیں گے۔"

"ضرور تشریف لائیے۔ مجھے بہت خوشی ہوگی آپ سے مل کر"
اس نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔

وہ انہیں دروازے تک رخصت کرنے آیا۔ مین گیٹ پر
بیٹھے چوکیدار کے پاس رکتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

"کیا آپ ہمیں اس ڈاکٹر کا نام اور پتا بتا سکتے ہیں جو عمارت
کے مالک کی طرف سے کرائے داروں کا علاج کرتا ہے؟"

"عمارت کے مالک کی طرف سے تو کوئی ڈاکٹر مقرر نہیں ہے۔"
چوکیدار نے کہا۔ اس کے لہجے میں انہوں نے حیرت بھی محسوس کی۔

"ابھی ابھی ایک ڈاکٹر مسٹر راجہ ڈین کو دیکھنے کے لیے آیا تھا۔
اس کے ہاتھ میں یہ لوہے کا پائپ بھی تھا۔ کیا آپ اسے جانتے ہیں؟"

"میں نے اسے دیکھا ضرور تھا' لیکن اس کے ہاتھ میں لوہے کا
پائپ نہیں تھا۔ ہاں چمڑے کا لمبا سا بیگ ضرور تھا جو ڈاکٹر صاحبان
کے ہاتھ میں عام طور پر ہوتا ہے۔"

"تب یہ پائپ اس بیگ میں ہوگا تو آپ اس ڈاکٹر کا نام
اور پتا نہیں جانتے؟"

"جی نہیں۔" اس نے کہا۔

"عجیب بات ہے' پھر وہ یہاں کس طرح آ گیا۔ مسٹر راجہ ڈین نے
تو خود اسے بلایا ہی نہیں تھا۔" انسپکٹر جمشید گہری سوچ میں گم
ہوتے نظر آئے۔

عمارت سے باہر نکلے تو چاروں ہی سوچ میں غرق تھے۔

"کیا اب آپ سفارت خانے کے آفیسر سے ملاقات کریں گے؟"
محمود نے سوچ کے سمندر سے سر ابھارا۔

"ہاں' ان سے بھی ملنا ہی پڑے گا۔ کیا تم تینوں کو اس ڈاکٹر
کا چہرہ اچھی طرح یاد ہے۔ میرا مطلب ہے' دوبارہ اسے دیکھو تو
پہچان لوگے؟"

"جی ہاں' یقیناً پہچان لیں گے۔"

"تو پھر اس کے نقش و نگار اچھی طرح ذہن میں بٹھا لو۔ جہاں
کہیں بھی وہ نظر آئے' مجھے بتا دینا۔ مجھے یقین ہے' اس سے
کہیں نہ کہیں ملاقات ضرور ہوگی۔" انہوں نے جیب سے

اور وہ تینوں انہیں حیرت بھری نظروں سے دیکھنے لگے۔

○

سفارت خانے کے آفیسر نے اپنی کرسی سے اٹھ کر ان کا استقبال کیا۔

"آپ کو اتنی جلد دوبارہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اگر آپ چند منٹ بعد آتے تو میں جا چکا تھا، کیونکہ دفتر کا وقت ختم ہو گیا ہے۔"

"اوہو، پھر تو ہم غلط وقت پر آ گئے۔ معاف کیجیے گا، اب ہمیں اجازت دیجیے۔ ہم کل کسی وقت حاضر ہو جائیں گے۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ آپ سے دوبارہ مل کر تو مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے۔ آپ بے فکر ہو کر تشریف رکھیے۔ اور ہاں سنائیے، آپ کو کہاں تک کامیابی ہوئی؟"

انہوں نے جو کچھ بیتی تھی، کہہ سنائی۔ آفیسر کے چہرے پر پریشانی کے آثار جھلک اٹھے۔ ان کی طرف دیکھتے ہوئے وہ بولا:

"تب تو آپ بہت خطرناک حالات میں گھر گئے ہیں۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ واپس چلے جائیں۔"

"اپنے دوست کا سراغ لگائے بغیر جانا ہمارے لیے ممکن نہیں تھا

اور اب بھی ممکن نہیں ہے۔ آپ یہ فرمائیے، ہماری کس حد تک مدد کر سکتے ہیں؟" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"تمام حالات سننے اور ان پر غور کرنے کے بعد تو میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ میں آپ کے کسی کام نہیں آ سکتا اور اگر مونتات کو یہ خبر ہو گئی کہ آپ لوگ مجھ سے ملنے کے لیے دوبارہ یہاں آئے ہیں تو شاید میری حیثیت بھی اب اس شہر میں ایک قیدی کی سی ہو گی۔ کیونکہ اگر میں یہاں سے چلا جاؤں اور باہر کی دنیا کو جا کر بتا دوں کہ اس شہر میں کیا ہو رہا ہے تو یہ چیز مونتات کے حق میں بہتر نہیں ہو گی۔ بلکہ میرا خیال ہے، اس وقت تک اسے رپورٹ مل بھی چکی ہو گی۔ آپ کیا سمجھتے ہیں۔ مونتات کے ہیڈ کوارٹر سے ہو کے کے بعد آپ کو یونہی پھرنے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا۔ آپ کی بڑی زبردست نگرانی ہو رہی ہے۔" یہ کہتے کہتے اس کی آواز بیٹھ گئی۔ چہرے کا رنگ سیاہ پڑ گیا۔ اس قدر جلد اس حد تک چہرہ سیاہ پڑتے انہوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔

"اوہو، ہم سے بڑی غلطی ہوئی کہ یہاں چلے آئے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ آپ بھی ہمارے ساتھ مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔"

"ہاں، اب میں بھی یہاں سے واپس نہیں جا سکوں گا۔" اس کی آواز انہیں کسی اندھے کنویں سے آتی محسوس ہوئی۔

"گویا اب ہم ایک ہی کشتی میں سوار ہیں، لیکن کیا یہ ضروری

ہو گا کہ آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں۔" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں اب بھی
تازگی باقی تھی۔

"تجربہ۔ کیسا تجربہ؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"آپ ابھی فضائی کمپنی کو فون کریں اور ان سے اپنے ملک کے
لیے کسی پرواز کی سیٹ بک کرنے کے لیے کہیں۔"

"اچھی بات ہے، میں یہ کیے لیتا ہوں۔" اس نے کہا اور فون
کا ریسیور اٹھا کر نمبر ملانے لگا۔ سلسلہ فوراً ہی مل گیا۔ اس نے اپنا
تعارف کرایا اور پھر سیٹ کے لیے بات کی۔ دو منٹ بعد اس نے
ریسیور رکھ دیا۔ چند لمحے تک پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھتا رہا، پھر
مردہ آواز میں بولا:

"اب میں بھی اسی شہر میں قیدی ہوں۔"

خطرناک بات

چند لمحے تک موت کی سی خاموشی طاری رہی۔ انسپکٹر جمشید
بھی سکتے کے عالم میں تھے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ
موشاف شہر پر اس حد تک چھایا ہوا ہے۔ ان کا تو خیال تھا کہ وہ
کوئی بڑا بدمعاش قسم کا آدمی ہو گا، جس نے کچھ پولیس والوں کو
بھی خرید رکھا ہے، لیکن یہاں تو معاملہ ہی الٹ تھا۔ تمام محکمے اس
وقت اس کے اشاروں پر ناچ رہے تھے۔ انہیں حیرت تھی کہ ابھی
تک موشاف کے بارے میں دوسرے شہروں میں کیوں خبریں نہیں پہنچیں
اس ملک کے کرتا دھرتا لوگوں کو موشاف کے بارے میں کیوں معلوم
نہیں ہوا۔ آخر اس شہر سے لوگ باہر بھی جاتے تھے اور دوسرے
شہروں کے لوگ یہاں بھی آتے تھے۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ ان
حالات کی خبر دوسرے شہروں تک نہ پہنچی ہو اور آخر یہ سوال انہوں نے
سفارت خانے کے آفیسر سے کر ہی دیا:

"حالات اس حد تک خوفناک صورت اختیار کر چکے ہیں، یہ

تو مجھے بھی آج ہی معلوم ہوا۔ اس سے پہلے تو میں نے بھی کبھی موشاف کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی، بالکل اسی طرح اس ملک کے حکام بھی موشاف کو کوئی اہمیت نہیں دیتے ہوں گے، لیکن یہ تو اب محسوس ہوتا ہے، جیسے موشاف بہت جلد پورے ملک پر چھا جائے گا۔ یہی طرح شہر کے دوسرے لوگوں کو بھی موشاف کی اصل طاقت کا علم نہیں، لہذا وہ بھی اسے کوئی اہمیت نہیں دیتے ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ابھی دوسرے شہروں میں اس کا چرچا نہیں ہو سکا۔ اڑتی پڑتی خبریں تو ضرور سننے میں آتی ہوں گی۔ انہیں حکام حضرات یہ۔ ان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیتے ہوں گے۔" آفیسر نے جواب دیا۔

"آپ کا خیال ٹھیک ہے۔ اب سنیے، یہ ملک ہمارا دوست ملک ہے۔ اس ملک کو اگر کوئی خطرہ لاحق ہوا تو اس کا نقصان ہمارے ملک کو بھی ہوگا۔ موشاف اگر ملک پر چھا گیا تو کیا خبر، اس کا رجحان کس ملک کا ساتھ دینے کی طرف ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ موشاف دراصل اس ملک کے کسی دشمن ملک کا نمائندہ ہو اور وہ اس طرح ملک پر چھا جانے کے خواب دیکھ رہے ہوں۔ اگر حقیقت میں یہ ہے تو یہ اور بھی خطرناک بات ہوگی۔ اس کا نقصان ہمارے ملک کو بھی ہوگا، لہذا ہمیں اس ملک کو موشاف کے خطرے سے بچانا ہوگا۔" انسپکٹر جمشید روانی کے عالم میں کہتے چلے گئے۔

"لیکن کیسے؟ ہم پانچ آدمی اس پورے شہر سے کس طرح لڑ سکتے ہیں۔ حالات تو یہ بتا رہے ہیں کہ سارا شہر ہی موشاف کا غلام بن چکا ہے اور اس کے حکم کے خلاف کوئی سر نہیں اٹھائے گا۔" آفیسر نے پریشان ہو کر کہا۔

"بے شک حالات یہی کہہ رہے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں۔ پہلا کام تو آپ یہ کریں کہ فوراً اپنے ملک کے وزیر خارجہ کو فون کریں۔ مختصر طور پر حالات سنا دیں اور درخواست کریں کہ یہاں سے آپ کی واپسی کا انتظام کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ وہ اس ملک کے صدر اور دوسرے حکام کو اس خطرے سے آگاہ کریں، تاکہ وہ اس خطرے سے نبٹ سکیں۔"

"ہاں۔ لیکن اب فون کا وقت کہاں رہا۔" آفیسر نے خوفزدہ کانپتی آواز میں کہا۔

انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ نے بھی فوراً ہی محسوس کر لیا کہ اب فون کا وقت گزر چکا ہے؛ تاہم آفیسر نے امید اور ناامیدی کے درمیان رہتے ہوئے فون پر نمبر گھمانے شروع کر دیے۔ چونک اس نے ریسیور میں کسی کی آواز سنی اور پھر ریسیور کریڈل میں پٹخ دیا۔

"ایکسچینج سے کسی نے کہا ہے کہ میں ٹیلیفون منقطع کر دیا ہے، فون کا سلسلہ قائم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ وہ اس نتیجے پر پہلے ہی پہنچ چکے تھے، لیکن اس کے باوجود انہیں یہ سن کر دھکا سا لگا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اس پورے شہر سے ٹکر لینا ہوگی۔" فرزانہ نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"جو ناممکن ہے۔" محمود بولا۔

"تمہیں چاہیے کہ "تقریباً" ناممکن کے الفاظ استعمال کرو۔ دنیا میں ناممکن کچھ بھی نہیں۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"ہاں، یہ ٹھیک ہے، آؤ چلیں۔۔۔ اور جناب آپ بھی خدا پر بھروسہ رکھیں۔ اگر ہم یہاں سے نکلنے کا کوئی ذریعہ تلاش کر سکے تو انشاءاللہ آپ کو بھی ساتھ لے کر جائیں گے۔۔۔ ہاں، ہم آپ کا نام پوچھنا تو بھول ہی گئے۔"

"مجھے ایم طارق کہتے ہیں۔" اس نے لرزتی آواز میں کہا۔

اور وہ اسے دلاسہ دیتے ہوئے باہر نکل آئے۔

○

کمشنر صاحب نے انہیں دوبارہ اپنے سامنے دیکھ کر حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ چند لمحے تک خاموشی سے ان کی طرف دیکھتے رہے، آخر بولے:

"بہت جلد آپ لوگوں کو دوبارہ دیکھ رہا ہوں، خیر تو ہے؟"

"ہم موشاف کے ہیڈ کوارٹر سے ہو آئے ہیں۔"

"ارے، کیا واقعی؟ تب تو آپ لوگوں نے کمال کر دیا۔ اب میں موشاف کو نہیں چھوڑوں گا۔" کمشنر صاحب نے خوشی اور جوش کا اظہار کیا۔

"یہی ہم آپ سے مشورہ کرنے آئے ہیں کہ اب آپ کا اقدام کیا ہوگا۔ کیا پولیس آپ کا ساتھ دے گی اور اگر مقامی پولیس آپ کا ساتھ نہیں دے گی تو آپ کیا کریں گے۔ کیا دوسرے شہروں سے مدد منگا سکیں گے۔"

"میں اپنے دستے کی مدد سے موشاف پر حملہ کروں گا۔" کمشنر صاحب بولے۔

"آپ کے دستے میں کل کتنے آدمی ہیں جناب؟" انسپکٹر جمشید طنزیہ لہجے میں بولے۔

"تقریباً پانچ سو۔"

"لیکن موشاف کے ساتھیوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ شہر کی پولیس بھی اس کا ساتھ دے گی۔۔۔ اور پھر ان کے پاس جدید ترین اسلحہ بھی ہوگا۔ آپ اپنے پانچ سو آدمیوں سے کب تک مقابلہ کریں گے؟"

"یہ — یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ موشاف کے آدمیوں کی تعداد ہزاروں تک ہے۔"

"میں تو یہ تک کہہ سکتا ہوں کہ تعداد اس سے بھی کہیں زیادہ ہے۔"

"آپ تو مجھے ڈرائے دے رہے ہیں۔" کمشنر صاحب بولے۔

"آپ میرے ایک سوال کا جواب دے سکتے ہیں۔"

"کیسا سوال؟" انھوں نے چونک کر کہا۔

"آپ نے اب تک موشاف کے خلاف کوئی کوشش کیوں نہیں کی — کیا آپ اس کے ہیڈ کوارٹر کی تلاش کا کام اپنے دستے سے نہیں لے سکتے تھے؟"

"بہت دفعہ کوشش کی، لیکن ہر مرتبہ ناکامی ہوئی۔ ہیڈ کوارٹر کا سراغ نہیں لگ سکا — میں تو حیران ہوں کہ آپ لوگوں نے کس طرح پتا چلا لیا۔"

"اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں، ہمیں تو موشاف کے آدمی خود وہاں لے گئے تھے۔" فاروق بولا۔

"ارے کیا واقعی؟" وہ چونکے۔

"جی ہاں — خیر، اب آپ کیا کہتے ہیں؟"

"اب میں اس کے علاوہ اور کیا کر سکتا ہوں کہ دوسرے شہروں سے مدد طلب کروں۔"

"بالکل ٹھیک، ہم بھی یہی چاہتے ہیں — تو پھر مہربانی فرما کر یہ کام اسی وقت سے شروع کر دیجیے۔"

"اسی وقت سے، لیکن اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے؟"

"ضرورت ہے، آپ کوشش تو شروع کریں۔" انھوں نے قدرے تیز آواز میں کہا — کمشنر صاحب نے انھیں بُری طرح گھورا اور پھر سر کو جھٹک کر فون کا ریسیور اٹھا لیا — تھوڑی دیر تک وہ سلسلہ ملانے کی کوشش کرتے رہے، پھر جھلا کر ریسیور رکھ دیا۔

"فون کام نہیں کر رہا ہے۔"

"اور کرے گا بھی نہیں، اس لیے کہ ٹیلی فون ایکسچینج پر بھی موشاف کا قبضہ ہو چکا ہے۔"

"کیا؟" کمشنر صاحب چلا اُٹھے۔

"شکریہ جناب، اب ہم چلتے ہیں — معلوم ہو گیا کہ آپ بھی ہماری طرح اس شہر میں قیدی ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے اٹھتے ہوئے کہا اور پھر مڑتے ہوئے کمرے سے باہر نکل آئے — تینوں بھی تیزی سے ان کے ساتھ نکلے۔

"قیدیوں کی تعداد تو لمحہ بہ لمحہ بڑھتی ہی جا رہی ہے۔" فاروق بڑبڑایا۔

"چلو اچھا ہے — سارے قیدی مل کر موشاف کے خلاف بغاوت تو کر سکیں گے۔" فرزانہ بولی۔

"اور اب آپ کہاں جائیں گے ؟"

"ذرا پولیس چیف سے بھی دو باتیں ہو جائیں — دیکھیں تو سہی — اب وہ کیا کہتا ہے ؟" وہ بولے۔

○

پولیس چیف نے بھی انہیں حیران ہو کر دیکھا۔

"ہم موشاف کے ہیڈ کوارٹر سے ہو آئے ہیں۔" انہوں نے بیٹھتے ہی اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"یہ میں کیا سن رہا ہوں۔"

"اب فرمایئے، کیا آپ ہیڈ کوارٹر پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہیں ؟"

"ہاں کیوں نہیں۔ لیکن اس کے لیے مجھے سارے شہر کی پولیس کے ساتھ حملہ کرنا ہوگا اور ایسا کرنے کے لیے اوپر سے اجازت لینا ہوگی۔"

"اوپر سے آپ کی مراد اگر کمشنر صاحب ہیں تو ان کی طرف سے اجازت ہی سمجھیے۔"

"جی نہیں، مجھے وزیر داخلہ سے اجازت لینا ہوگی۔"

"تو پھر جلد از جلد یہ اجازت لے لیجیے، کیونکہ یہ آپ کے بس

بہت اچھا موقع ہے۔"

"شکریہ، میں ابھی کوشش کرتا ہوں۔"

وہ پندرہ منٹ تک فون کرنے کی کوشش کرتا رہا، لیکن کامیابی کی صورت نظر نہ آئی — یہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید اٹھ کھڑے ہوئے اور ان سے بولے:

"آؤ بھئی چلیں۔"

"آپ کہاں چل دیے ؟" پولیس چیف نے حیران ہو کر کہا۔

"ہوٹل ریون — کیونکہ ہم جان گئے ہیں، موشاف نے آپ کے راستے بھی بند کر دیے ہیں — آپ بھی اب کچھ نہیں کر سکتے یا پھر کرنا ہی نہیں چاہتے ہوں گے۔"

"یہ — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"ایک حقیقت — نہ آپ وزیر داخلہ سے رابطہ قائم کر سکیں گے، نہ موشاف پر حملہ کریں گے۔" انہوں نے طنز بھرے لہجے میں کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا —"

"نہیں سمجھے ہوں گے، ہم کیا کریں، آؤ بھئی۔"

اسے ہکا بکا چھوڑ کر وہ باہر نکل آئے — موشاف انہیں ہر قدم پر شکست دیتا رہا تھا — اب ان پر تھکن سوار ہو چکی تھی، چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ پہلے ہوٹل ریون چل کر کچھ دیر آرام کر لیا جائے۔ وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر روانہ ہوئے اور جس وقت ٹیکسی نے

انہیں ہوٹل کے سامنے "اتارا — اس وقت رات کے آٹھ بج رہے تھے — یہ چکر صبح آٹھ بجے شروع ہوا تھا : گویا بارہ گھنٹے گزر گئے تھے اور وہ ابھی تک وہیں کھڑے تھے، جہاں سے چلے تھے، جوں ہی وہ اندر داخل ہوئے، ان کی نظریں گیند نما مینجر پر پڑیں۔ اس نے بھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھا اور پھر ان کی طرف لپکا —

بے یارو مددگار

"اف خدا، آپ لوگ کہاں چلے گئے تھے — میں بہت پریشان رہا" اس نے نزدیک آتے ہوئے کہا۔

"ہم ذرا موشاف کے ہیڈ کوارٹر کی سیر کرنے چلے گئے تھے۔" فاروق نے طنزیہ لہجے میں کہا —

"کیا کہا، موشاف کے ہیڈ کوارٹر کی سیر ؟" اس نے آنکھیں نکالیں۔

"ہاں، کیوں، کیا اس کے ہیڈ کوارٹر کی سیر نہیں کی جا سکتی "

"اوہ، میں سمجھا — موشاف کے آدمی آپ لوگوں کو پکڑ کر ہیڈ کوارٹر لے گئے تھے" اس نے جلدی سے کہا۔

"چلیے یوں ہی سہی، لیکن یہ کیا کم ہے کہ ہم آپ کو ایک بار پھر یہاں نظر آ رہے ہیں" محمود بولا۔

"ہاں، یہ واقعی حیرت انگیز بات ہے، تو کیا موشاف نے آپ کو معاف کر دیا"

"نہیں، اس کی اور ہماری ایک شرط لگ گئی ہے، یا یوں کہہ لیجیے

کہ اس کے اور ہمارے درمیان ایک معاہدہ طے پا گیا ہے۔" فرزانہ نے پہلی بار زبان کھولی۔

"میں سمجھا نہیں۔"

"آئیے، اوپر چل کر بیٹھتے ہیں، وہیں باتیں کریں گے۔ یہاں کھڑے رہ کر باتیں کرنا مناسب نہیں ہوگا۔" تنگ آ کر انسپکٹر جمشید نے گفتگو میں دخل دیا، ورنہ انہیں یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ اب ان تینوں کی باتوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوگا۔

"یہ ٹھیک رہے گا۔۔۔ اف خدا، تو آپ لوگ مونٹاف کے ہیڈ کوارٹر سے ہو آئے ہیں۔ یہ بات کس قدر عجیب لگ رہی ہے۔"

"آپ کو صرف عجیب لگ رہی ہے، ہمیں تو غریب بھی لگ رہی ہے۔" فاروق بھلا کہاں چپ رہنے والا تھا۔

"جی کیا مطلب؟" منیجر حیران ہو کر بولا۔

"منیجر صاحب، اس کی باتوں پر نہ جائیے۔ یہ تو بس ہمیشہ اوٹ پٹانگ باتیں کرتا ہے۔" محمود نے منہ بنایا اور فاروق نے جل کر اس کی طرف دیکھا۔

وہ لفٹ کے ذریعے اسی کمرے میں داخل ہوئے، جس میں منیجر نے انہیں بٹھایا تھا۔ اطمینان سے بیٹھنے کے بعد منیجر نے کہا۔

"ہاں اب بتائیے۔۔۔ آپ کیا کہہ رہے تھے۔"

"یہی کہ ہم مونٹاف کے ہیڈ کوارٹر کی سیر کر چکے ہیں۔" انسپکٹر جمشید

بولے اور پھر انہوں نے اسے مختصر طور پر سارا حال کہہ سنایا۔ آخر میں بولے:

"آپ ذرا صوفی جبار کے بارے میں بتا دیجیے۔ آپ کی اس سے دوستی کس طرح ہوئی تھی۔ کیا اس نے کبھی آپ کو یہ بات بتائی تھی کہ مونٹاف کا کارڈ اس کے پاس کہاں سے آیا تھا؟"

"نہیں، اس نے مجھے یہ بات کبھی نہیں بتائی۔ یوں بھی ہماری دوستی زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکی۔ وہ یہاں کھانا کھانے آتا تھا۔ ایک دن ایک غنڈے نے ہوٹل میں ہلڑ بازی شروع کر دی۔ اس کے ہاتھ میں پستول بھی تھا، اس لیے کوئی بھی اس سے الجھنے کی ہمت نہ کر سکا۔ ایسے میں ایک نوجوان اٹھا اور اس نے اس بدمعاش کو گولی چلانے کا موقع دیے بغیر اس پھرتی سے جا دبوچا کہ سب حیران رہ گئے۔ میں نے جا کر اس کا شکریہ ادا کیا۔ تعارف ہوا تو پتا چلا کہ اس کا نام صوفی جبار ہے۔ اس نے اپنی رہائش کا پتا بھی بتایا۔ اس کے بعد بھی ہم ملتے رہے۔ ایک دن مونٹاف کے ایک آدمی سے میرا جھگڑا ہو گیا۔ اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ مونٹاف کا آدمی ہے۔ مار کھانے کے بعد اس نے بتایا کہ وہ مونٹاف کا آدمی ہے۔۔۔ اور پھر فون کر کے چلا گیا۔ میں ڈر کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ اسی وقت میرے دوست یعنی صوفی جبار نے دروازے پر دستک دی۔ میں نے اس کی آواز پہچان کر دروازہ کھول دیا۔ تب اس نے

مجھے وہ کارڈ دیا، جو میں نے آپ لوگوں کو دیا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ جب مونٹاف کے آدمی آئیں تو انہیں یہ کارڈ دکھا دوں اور کہہ دوں کہ میں مونٹاف کا مہمان ہوں۔ بس پھر وہ کچھ کہے بغیر چلے جائیں گے۔ میں کارڈ کو دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ اتنے میں مونٹاف کے آدمی آ گئے۔ انہوں نے دروازہ دھڑدھڑایا تو میں نے دروازہ کھول دیا اور پھر میں نے جونہی انہیں کارڈ دکھایا، وہ ایک دم پیچھے ہٹ گئے اور جملہ سن کر وہ فوراً ہی مڑے اور چلے گئے، لیکن اس دن کے بعد میں نے صوفی جہاد کو کبھی نہیں دیکھا۔ خدا جانے اس کے ساتھ کیا بیتی۔" یہاں تک کہہ کر منیجر خاموش ہو گیا۔

"جب آپ نے ہمیں یہ کارڈ دیا تھا تو اس وقت یہ بتایا تھا کہ مونٹاف کا ایک آدمی آپ کا دوست بن گیا تھا اور اسی نے ایک موقع پر کارڈ آپ کو دیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے صوفی جہاد کو مونٹاف کا آدمی کس طرح کہہ دیا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس طرح کہ یہ کارڈ صرف مونٹاف کے آدمیوں کے پاس ہی ہوتے ہیں۔ اب یہ ایک عام بات ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"لیکن بعد میں تو کارڈ آپ کے پاس بھی رہا اور اب یہ ہمارے پاس ہے، تو کیا آپ اور ہم بھی مونٹاف کے آدمی ہیں۔"

"اوہ، کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ صوفی جہاد مونٹاف کا آدمی نہیں تھا۔"

"ہاں، کیونکہ میں جانتا ہوں۔ وہ واقعی مونٹاف کا آدمی نہیں تھا۔ وہ تو میرا دوست ہے اور میں اس کی تلاش میں یہاں آیا ہوں۔"

"کیا؟" منیجر نے حیرت بھری آواز میں کہا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

○

دوسری صبح وہ اپنی مہم پر روانہ ہوئے۔ رات ہی انسپکٹر جمشید نے سرگوشیوں میں اپنے پروگرام کی تفصیل بتا دی تھی اور اس پروگرام کے مطابق انہیں سب سے پہلے صابن والے اس کارخانے کا پتا چلانا تھا جسے مونٹاف اپنے ہیڈ کوارٹر کے طور پر استعمال کر رہا تھا۔ انہوں نے منیجر سے کوئی بات نہیں پوچھی تھی، کیونکہ احتیاط کا تقاضا یہی تھا۔ ایک الجھن ان کے لیے یہ تھی کہ انہوں نے کارخانے کو صرف اندر سے دیکھا تھا۔ باہر سے وہ اس کی ایک جھلک تک نہیں دیکھ سکے تھے۔

انہوں نے ایک راہگیر کو روک کر صابن کی منڈی کے بارے میں پوچھا۔ اس نے پتا بتا دیا۔ وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر منڈی پہنچ گئے اور ایک ڈیلر سے ملاقات کی۔

"کیا آپ ہمیں بتا سکتے ہیں کہ اس شہر میں صابن کے کل کتنے کارخانے ہیں اور وہ کہاں کہاں ہیں؟"

"جی ہاں، کیوں نہیں۔ صابن کے اس شہر میں بڑے صرف تین کارخانے ہیں۔ ان کے پتے بتا دیتا ہوں، نوٹ کر لیجیے۔" اس نے کہا۔

انسپکٹر جمشید نے محمود کو اشارہ کیا اور وہ اپنی نوٹ بک میں پتے نوٹ کرتا چلا گیا۔ دل ہی دل میں وہ شکر کر رہے تھے کہ شہر میں صرف تین کارخانے ہیں اور انہیں زیادہ خاک نہیں چھاننا پڑے گی۔ ڈیلر کا شکریہ ادا کرنے کے بعد وہ منڈی سے باہر نکل آئے۔

"لیکن ابا جان، ہم یہ کس طرح جان سکیں گے کہ ان میں سے موشافت کا کارخانہ کونسا ہے، جب کہ ہم نے اسے صرف اندر سے دیکھا ہے۔" فاروق نے پریشان ہو کر کہا۔

"بھئی، اگر اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہوئی ہو تو ایسے مسئلے اس عقل سے حل کیے جا سکتے ہیں۔ میں جب سے اس ملک میں آیا ہوں، آنکھیں اور کان کھلے رکھے ہیں اور عقل کے تمام دروازے بھی کھلے ہیں، لہذا میں تو یہی کہوں گا کہ ہم نہایت آسانی سے ہیڈ کوارٹر تک پہنچ جائیں گے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن کیسے؟" فاروق بولا۔

"بہت بے وقوف کے بے وقوف، سامنے کی تو بات ہے۔"

محمود بولا۔

"واقعی، بالکل سامنے کی بات ہے۔" فرزانہ بھی لطف لینے کے انداز میں بولی۔

"یا اللہ رحم، یہ دونوں تو عقل مند بن چلے ہیں۔ اب میں کیا کروں؟" فاروق نے مسمسی صورت بنائی۔

"محمود، اگر تم سمجھ گئے ہو تو بتاؤ، ہم ہیڈ کوارٹر تک کس طرح پہنچیں گے؟" انسپکٹر جمشید نے اس کی طرف دیکھا۔

"جی ہاں، کیوں نہیں۔ ہم کرائے کی اس عمارت سے روانہ ہوتے تھے۔ وین نے ہمیں ہیڈ کوارٹر تک ایک گھنٹے میں پہنچایا تھا اور وین نے اس دوران کتنے موڑ مڑے تھے، اس کا اندازہ بھی آپ ضرور لگاتے رہے ہوں گے، لہذا اگر ہم کرائے کی عمارت سے ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر پہلے ایک کارخانے جائیں، پھر دوسرے اور پھر تیسرے تو جس کارخانے تک پہنچنے میں تقریباً ایک گھنٹہ لگے اور اتنے ہی موڑ مڑنے پڑیں، جتنے کہ آپ گن چکے ہیں تو بس وہی کارخانہ موشافت کا ہیڈ کوارٹر ہوگا۔"

"بہت خوب۔" انسپکٹر جمشید خوش ہو کر بولے۔

"لیکن ابا جان، اگر تینوں کارخانوں تک پہنچنے میں ایک ایک گھنٹہ اور اتنے اتنے چکر ہی لگے تو پھر کیا ہوگا۔" فاروق نے اعتراض کیا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" محمود نے برا سا منہ بنایا۔

"ایسا ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ ہمارا مقابلہ موشاف سے ہے اور موشاف وہ آدمی ہے جو اپنی عقل کے زور سے اس وقت پورے شہر پر حکومت کر رہا ہے اور پورے ملک پر چھا جانے کا پروگرام بنائے بیٹھا ہے۔ اس نے اگر ہمیں وین کے ذریعے ہیڈ کوارٹر تک بلوایا تھا اور وہ پہلے سے یہ سوچ چکا تھا کہ ہم سے کیا معاملہ طے کرنے والا ہے تو پھر اس نے وین کے ڈرائیور کو یہ ہدایت بھی ضرور دی ہوگی کہ وین کو شہر میں ادھر ادھر گھما پھرا کر ہیڈ کوارٹر تک لایا جائے، تاکہ بعد میں ہم لوگ آسانی سے ہیڈ کوارٹر تک نہ پہنچ جائیں۔" فاروق روانی کے عالم میں کہتا چلا گیا۔

اس کی بات نے انہیں گنگ کر دیا۔ وہ سکتے کے عالم میں اسے گھورنے لگے۔ آخر انسپکٹر جمشید کے لب ہلے:

"فاروق، تمہارا اعتراض بھی انتہائی معقول ہے۔ ہم اسے نظر انداز نہیں کر سکتے۔ لیکن ہمارے لیے حوصلے والی بات یہ ہے کہ شہر میں کارخانے صرف تین ہیں اور ہم ان تینوں کی اندر سے سیر کر کے دیکھیں گے۔ تم فکر نہ کرو، آج ہم کم از کم ہیڈ کوارٹر کا سراغ ضرور لگا کر رہیں گے۔"

"لیکن ابا جان، موشاف نے ہمیں ہیڈ کوارٹر کا پتا لگانے کے

لیے نہیں کہا۔ اس کے تو صرف دو سوال ہیں۔ پہلا یہ کہ موشاف دراصل کون ہے۔ اور دوسرے یہ کہ انکل صوفی جبار شہر میں کہاں اور کس حال میں ہے۔ ہم ان دو سوالوں کے جواب اگر دے دیں، تو انکل صوفی جبار سمیت شہر سے جا سکتے ہیں۔ بصورت دیگر ہمیں اپنی زندگی کے دن یہیں گزارنا ہوں گے اور وہ بھی موشاف کی مرضی کے مطابق۔ یعنی غلاموں کی زندگی بسر کرنا ہوگی۔" فرزانہ کہتی چلی گئی۔

"ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے۔ لیکن ان دونوں سوالوں کے جواب ہمیں بیٹھے بٹھائے تو مل نہیں جائیں گے۔ اس کا طریقہ یہی ہے کہ پہلے ہم ہیڈ کوارٹر کا پتا چلائیں، پھر یہ دیکھیں کہ موشاف کس راستے سے ہیڈ کوارٹر آتا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے جواب دیا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں ابا جان۔ چلیے، پہلے ہم اس کرائے کی عمارت تک چلیں، پھر وہاں سے تینوں کارخانوں کا فاصلہ ناپیں۔" محمود بولا۔

چنانچہ اس ترکیب پر عمل شروع ہوا، اور پھر وہ حیران رہ گئے کیونکہ فاروق کا خیال ہی درست نکلا تھا۔ تینوں کارخانوں تک پہنچنے کے لیے انہیں برابر وقت اور برابر موڑ کاٹنے پڑے تھے۔

"دھت تیرے کی۔ یہ تو فاروق ہی عقل مند ثابت ہو گیا۔" محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔

"بہت دیر بعد خیال آیا دل پر ہاتھ مارنے کا" فاروق نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"دوسرا ملک ہے نا۔ آب و ہوا کا اثر ہو گیا شاید" فرزانہ نے چوٹ کی۔

"تم اپنی جوتی کی خبر لو، وہ چل رہی ہے یا نہیں" محمود نے جل کر کہا۔

"بھئی، ابھی ہم ہیڈ کوارٹر کا پتا نہیں چلا سکے، لڑنا شروع کر دیا" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"آپ کا مطلب ہے ابا جان، ہیڈ کوارٹر کا پتا چلانے کے بعد ہم لڑ سکتے ہیں" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"دشمنوں سے، آپس میں نہیں" وہ بولے۔ "اب ہمارے پاس اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں کہ ہم صابن کے بیوپاری بن جائیں اور بیوپاری بھی ایسے، جو اس ملک کا مال اپنے ملک میں لے جانا چاہتے ہوں۔ صرف اسی صورت میں ہم ہیڈ کوارٹر کا سراغ لگا سکتے ہیں"

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی ابا جان، آخر یہ کس طرح ممکن ہے کہ کراچی کی اس عمارت سے تینوں کارخانے ایک جتنے فاصلے پر ہوں اور راستے میں موڑ بھی ایک جتنے آتے ہوں" فرزانہ چہک اٹھی۔ "ابھی وہ تیسرے کارخانے کے پاس اترے تھے اور

سڑک کے کنارے چل رہے تھے۔

"اوہ واقعی، اس بات کی طرف تو ہمارا دھیان فوراً ہی جانا چاہیے تھا" محمود چونکا۔

"خیر، کوئی بات نہیں۔ دیر آید، درست آید۔ ہمارا دھیان گیا تو سہی، شکریہ ادا کرو بے چارے کا" فاروق چہکا۔

"فاروق، تم ان حالات میں بھی خاموش نہیں رہ سکتے"

"نہیں، اگر میں خاموش ہو گیا تو ہم موت کی سی خاموشی کی لپیٹ میں آ جائیں گے"

"فرزانہ، تم نے بہت اچھا نقطہ اٹھایا اور اس کا مطلب ہے کہ ہمیں بے وقوف بنایا جا رہا ہے" انسپکٹر جمشید نے پراسرار انداز میں کہا۔

"کیا مطلب، ہمیں بے وقوف بنایا جا رہا ہے" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں بھئی، یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ تینوں کارخانے بالکل ایک جتنے فاصلے پر ہوں اور بالکل برابر موڑ مڑنے کے بعد آتے ہوں۔ ایسی صورت میں تو ہو سکتا ہے کہ تینوں کارخانے مختلف جگہ ہی ہوں اور اس نے جان بوجھ کر ان تینوں کو اس کمرے کی حد تک سے برابر فاصلے پر بنوایا ہو، لیکن پھر بھی موڑ مڑنے کا مسئلہ جوں کا توں رہتا ہے۔ یہ کسی طرح بھی نہیں ہو سکتا اور پھر مختلف کا

اس وقت سے تو یہ پروگرام رہا نہیں ہوگا کہ ہمارے ذریعے خود کو
تلاش کرائے گا۔ یہ پروگرام تو اس کا بیٹھے بٹھائے بن گیا ہے۔ انداز
نتیجہ یہ کہ ہمیں بے وقوف بنایا جا رہا ہے۔" انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے
"لیکن بھلا ہمیں بے وقوف کس طرح بنایا جا رہا ہے۔ یہ بھی
تو بتائیں۔" فرزانہ نے بے تابانہ انداز میں کہا۔

"اس طرح کہ جن ٹیکسیوں میں ہم نے سفر کیا، وہ تینوں کی
تینوں مونتان کے آدمیوں کی تھیں۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

حیرت کا احساس

چند لمحے سکتے کے عالم میں گزر گئے۔ آخر انسپکٹر جمشید نے زبان
ہلائی۔

"ہم اس سے اس طرح بازی نہیں جیت سکتے۔ وہ بہت چالاک
ہے۔ ہماری ہر کوشش کا توڑ اس کے پاس پہلے سے موجود ہے۔
کمشنر صاحب اور پولیس چیف صاحب اس کے مقابلے پر نکلنے سے
ڈرتے ہیں۔ وہ دوسرے شہروں سے مدد نہیں مانگ سکتے یا پھر کچھ
کرنے کے قابل ہیں تو کرتے نہیں کہ اس طرح ان کی آمدنی
ماری جاتی ہے۔ کوئی محکمہ، کوئی ادارہ ہمارے کام نہیں آ سکتا۔ ان
حالات میں بھلا ہم کیا کریں۔ اب صرف اور صرف ایک ہی ترکیب رہ
جاتی ہے۔ ہم اس پر عمل کر کے ضرور دیکھیں گے اور اگر وہ ترکیب
بھی ناکام ہو گئی تو یہ شہر ہمارے لیے ایک مستقل قید خانہ بن جائے
گا۔" ان کے الفاظ حد درجے خوفناک تھے۔

"قیدی تو خود کو ہم اب بھی محسوس کر رہے ہیں۔ کہیں آ جا

بھی نہیں سکتے، لیکن آپ کی ترکیب کیا ہے؟"

"آؤ، ہوٹل واپس چلیں۔" انہوں نے محمود کی بات کا جواب دیے بغیر کہا۔

"گویا آپ ہوٹل کے کمرے میں ترکیب بتائیں گے، لیکن ابا جان وہاں تو دیواریں موجود ہوں گی اور اس شہر کی دیواروں کے کان بہت بڑے بڑے ہیں۔" فاروق نے بے چارگی کے انداز میں کہا۔

"اس شہر کی چار دیواری کے ہی نہیں، اور بھی بہت سی چیزوں کے بڑے بڑے کان ہیں، لہٰذا تم فکر نہ کرو، آؤ۔"

انہوں نے ایک گزرتی ہوئی ٹیکسی روکی اور اس میں بیٹھ کر ہوٹل پہنچے۔ اس دن بھر ان حالات میں کوئی اور گھرا ہوتا تو شاید اس کی بھوک پیاس تک اڑ جاتی۔ ہنستا بولنا تو رہا درکنار۔ لیکن وہ لوگ عام لوگ تو تھے نہیں۔ نہ جانے کیسے کیسے حالات دیکھے ہوئے تھے۔

ہوٹل کے ہال میں سے گزرتے ہوئے انہوں نے چاروں طرف دیکھا۔ منیجر انہیں کہیں بھی نظر نہ آیا۔ آخر وہ لفٹ میں سوار ہو کر اپنے کمرے میں پہنچے، پھر کچھ خیال آنے پر انسپکٹر جمشید خاموشی سے باہر نکل آئے اور انہیں بھی اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ وہ انہیں تیسری منزل کے کمرہ نمبر آٹھ سو بارہ میں لے آئے۔ آٹھ سو بارہ اور تیرہ ان کے نام بک تھے۔ جب مونٹاف کے آدمیوں کی آمد کا خطرہ تھا تو منیجر انہیں ان کمروں سے نکال کر اپنے مخصوص

کمرے میں لے گیا تھا۔ اس وقت پہلے وہ اسی مخصوص کمرے میں گئے تھے، لیکن پھر کچھ خیال آنے پر اپنے پہلے کمرے میں آگئے۔

"کیوں ابا جان، یہاں کیوں؟" محمود نے پوچھا۔

"دھیمی آواز میں بات کرو، بلکہ کان میں۔ سنو، ہم ان کمروں سے صرف مونٹاف کے آدمیوں سے بچنے کے لیے نکلے تھے، لیکن اب ہمیں ان کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں۔ پھر ہم منیجر کے اس مخصوص کمرے میں کیوں رہیں۔ کیا خبر اس کمرے میں مونٹاف نے مائیکروفون یا اس قسم کے کچھ اور آلات فٹ کرا دیے ہوں۔ اس صورت میں یہاں گفتگو سنی جا سکتی ہے۔" انہوں نے کہا۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس کمرے میں بھی آلات فٹ کیے جا چکے ہوں۔"

"نہیں، وہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ ہم پھر اس کمرے میں آ جائیں گے؛ بہرحال تم فکر نہ کرو۔ اب وہ ہماری گفتگو ہرگز نہیں سن سکیں گے۔" ان کے لہجے میں ہلکا سا طنز تھا۔

"ابا جان، کیا آپ کو غصہ آ رہا ہے؟" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"نہیں، غصے کی ایک جھلک سی محسوس ہوئی تھی۔" وہ مسکرائے اور پھر کمرے میں داخل ہو گئے۔ پہلے تو چاروں نے پورے کمرے کا بغور جائزہ لیا اور جب کچھ نظر نہ آیا تو آرام کرنے کے لیے لیٹ

گئے۔ کمرے کا دروازہ انھوں نے اندر سے بند کر لیا۔ تالے کے سوراخ کے آگے ایک کرسی رکھ دی، پھر انہیں اشارہ کیا: "اب تم اپنی اوٹ پٹانگ باتیں شروع کر دو۔" پھر انھوں نے ایک کاغذ جیب سے نکالا اور قلم سے اس پر لکھا:

"تم اوٹ پٹانگ باتیں جاری رکھو گے۔ اس دوران میں کاغذ پر تمھیں پروگرام کی تفصیلات لکھ کر دیتا رہوں گا۔ تم انہیں پڑھنے کے ساتھ اپنی باتیں بھی جاری رکھو گے۔"

"جی بہتر۔" محمود نے بھی قلم سے کاغذ پر لکھا اور پھر اس نے فاروق کی طرف دیکھا۔ جیسے کہہ رہا ہو:

"ہاں بھئی، شروع کرو اوٹ پٹانگ باتیں، تم تو اسی میدان کے پورے کھلاڑی ہو۔"

"ایسا معلوم ہوتا ہے ابا جان، جیسے موناف کے ہزاروں بازو، ہزاروں ٹانگیں، ہزاروں آنکھیں اور ہزاروں دماغ اور......"

"بس بس، تم اسے موناف ہی رہنے دو، کئی ہزار پا نہ بناؤ۔" فرزانہ نے بوکھلا کر کہا اور محمود ہنس پڑا۔

"حیرت تو یہ ہے کہ صابان کے شہر میں صرف تین کارخانے ہیں، لیکن تینوں کے تینوں کرانے کی عمارت سے برابر فاصلے پر ہیں اور موڑ بھی ایک جتنے مڑنا پڑتے ہیں۔ یہ تو بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے کہ شہر جادو کا ہو اور اس شہر کا جادوگر موناف ہو۔

وہ اپنے جادو کے زور سے ہمیں اپنی انگلیوں پر نچا رہا ہو، ویسے اس کا نام ہے جادوگروں جیسا۔" فاروق جلدی جلدی کہتا چلا گیا۔

"مجھے تو اس سے بڑے جادوگر تم معلوم ہوتے ہو۔ دھنی روانی سے چلے بولتے چلے جا رہے ہو، یہ بھی تو کچھ کم جادوگری نہیں ہے۔" فرزانہ نے جل بھن کر کہا۔

"مجھے ڈر ہے، کہیں تم لڑ نہ پڑو۔ اگر تمھارا ایسا کوئی پروگرام بن جائے تو بتا دینا، میں کمرے سے باہر چلا جاؤں گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔ اس دوران وہ مسلسل کاغذ پر لکھنے میں مصروف تھے۔

"کیوں ابا جان، کیا آپ ہماری لڑائی سے لطف اندوز نہیں ہوں گے؟" فاروق بولا۔

تھوڑی دیر بعد انسپکٹر جمشید نے کاغذ محمود کے حوالے کر دیا۔ وہ اکیلا اسے پڑھتا رہا، ادھر بات چیت بھی جاری رہی، پھر محمود نے کاغذ فاروق کو دے دیا اور اس طرح فرزانہ کی باری بھی آئی۔ اس طرح انہیں اپنے والد کے پروگرام کے بارے میں معلوم ہوا۔ پروگرام پر عمل رات کے گیارہ بجے شروع کیا جانا تھا، لہٰذا وہ باتیں کرتے کرتے سونے کی پوزیشن میں آ گئے۔ جیسے انہیں باتیں کرتے کرتے نیند آ گئی۔ لیکن ایسی کوئی بات نہیں تھی، نیند تو ان سے کوسوں دور تھی، لیکن سونے کی ایکٹنگ انھوں نے اس لیے کی تھی کہ وہ آخر کب تک اوٹ پٹانگ باتیں کر سکتے تھے۔

اور پھر رات کے ٹھیک گیارہ بجے انسپکٹر جمشید آہٹ پیدا کیے بغیر اٹھے۔ کمرے کا بلب سونے سے پہلے ہی بجھا دیا گیا تھا۔ اس وقت انہوں نے بلب جلانے کی کوشش نہیں کی، البتہ ایسے میں ان کی پنسل نما ٹارچ ضرور کام آئی۔ انہوں نے محمود، فاروق اور فرزانہ کو بھی جگایا اور پروگرام پر عمل شروع ہو گیا۔ وہ ان تینوں کے چہروں کا میک اپ کر رہے تھے۔ فرزانہ کو بھی انہوں نے لڑکے کا روپ دے دیا۔ میک اپ انہوں نے صرف چہروں کا ہی نہیں کیا، جسموں میں بھی تبدیلی کی، پھر انہوں نے اپنا حلیہ بھی تبدیل کیا۔

اس کے بعد مسہریوں کی نواڑ کو کھولا گیا اور آپس میں جوڑ کر اس میں جگہ جگہ گرہیں لگائی گئیں، پھر کھڑکی کے ذریعے نیچے لٹکایا گیا۔ نواڑ نیچے تک جا پہنچا۔ انہوں نے اوپر والے سرے کو کھڑکی کی سلاخوں سے باندھ دیا۔ اب وہ ہوٹل سے باہر جانے کے لیے تیار تھے، لیکن اس مرتبہ وہ صدر دروازے سے باہر نہیں جا رہے تھے اور نہ پچھلے دروازے سے نکل رہے تھے، بلکہ ہوٹل کی عمارت کے بائیں طرف سے نیچے اتر رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ہوٹل کے دونوں دروازے مونشات کے آدمیوں کی نگرانی میں تھے۔

بیس منٹ بعد وہ نیچے کھڑے ہلے ہلے سانس لے رہے تھے اور پھر وہ تاریکی کا سہارا لیے ہوٹل کے پاس سے دور ہوتے چلے گئے۔ انہوں نے سڑک پر چلنے کے بجائے گلیوں میں چلنا پسند کیا۔ اندھا

دھند چلتے رہے اور نہ جانے کہاں کے کہاں نکل گئے۔ آخر ایک سڑک پر آ گئے اور کسی ٹیکسی کے انتظار میں کھڑے ہو گئے۔

"اب یہاں جو ٹیکسی بھی ملے گی، مونشات کے کسی آدمی کی نہیں ہوگی اور ہوگی بھی تو اسے ہمارے بارے میں کوئی ہدایات نہیں ملی ہوں گی۔" انسپکٹر جمشید مطمئن آواز میں بولے۔

پندرہ منٹ کے انتظار کے بعد ایک ٹیکسی گزری۔ ان کے اشارے پر وہ رک گئی۔ وہ اس میں بیٹھ گئے۔ انسپکٹر جمشید نے کرائے کی عمارت کا پتا بتایا۔

پھر جوں ہی انہیں کرائے کی عمارت نظر آئی، وہ بولے:

"اوہو، میں تو بھول ہی گیا۔ ہمیں تو پہلے ایک اور جگہ جانا تھا۔ معاف کرنا بھئی، ٹیکسی موڑ لو۔" یہ کہہ کر انہوں نے تینوں میں سے ایک کارخانے کا پتا بتایا۔ ڈرائیور نے کچھ کہے بغیر ٹیکسی موڑ لی اور انہوں نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ ساتھ ہی موڑ گننے کے لیے تیار ہو گئے۔ ٹھیک آدھ گھنٹے بعد انہیں صابن کے کارخانے کی عمارت دکھائی دی۔

"بس بھئی، اب پھر واپس اسی کرائے کی عمارت تک چلو۔"

"جی! کیا مطلب؟" ڈرائیور چونکا۔

"بھئی دراصل ہم ایک تجربہ کرنے کے موڈ میں ہیں۔ تم کو اپنے مال سے غرض ہے۔ ٹھیک ہے نا۔" وہ بولے۔

"ہاں بالکل۔" اس نے کہا اور ٹیکسی موڑ لی۔

گرانٹ کی عمارت کے پاس پہنچ کر انہوں نے دوسرے کارخانے کا پتا بتایا۔ ڈرائیور کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی، تاہم وہ منہ سے کچھ نہیں بولا۔ دوسرا کارخانہ صرف پچیس منٹ بعد ہی آ گیا۔ وہ ایک بار پھر مڑے اور اسی طرح تیسرے کارخانے کی باری آئی۔ وہ پورے ایک گھنٹے کے بعد آیا اور موڑ بھی اتنے ہی پڑے جتنے کہ وہیں مڑی تھی۔ ان کے دل خوشی سے اچھلے، کیونکہ موشات کے مقابلے میں یہ پہلی شاندار کامیابی تھی۔ لیکن ابھی ان کی منزل بہت دور تھی۔ وہ ٹیکسی سے اتر گئے۔ اس کا بل ادا کیا۔ ٹیکسی ڈرائیور شاید انہیں پاگل خیال کر رہا تھا۔ ہکا بکا سا چلا گیا۔

"اب اس میں کوئی شک نہیں کہ یہی موشات کا ہیڈ کوارٹر ہے اور اب ہم یہاں سے واپس نہیں جائیں گے۔ جب اوکھلی میں سر دیا تو موسلوں کا کیا ڈر۔"

"واپس جانے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ رات کی تاریکی میں اگر ہم اندر داخل ہو جائیں اور موشات کے کمرے تک پہنچ جائیں تو اس خفیہ راستے کا پتا چل سکتا ہے، جس کے ذریعے وہ ہیڈ کوارٹر تک آتا ہے اور جاتا ہے۔" محمود بولا۔

"ابھی یہی خیال ہے۔ صدر دروازے پر کوئی چوکیدار وغیرہ

موجود ہوگا۔ ہو سکتا ہے، اندر بھی حفاظتی انتظامات ہوں، لہذا ہمیں ہر طرح محتاط رہ کر اندر داخل ہونا چاہیے۔"

انسپکٹر جمشید نے کہا اور انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

وہ صدر دروازے سے دور رہ کر کارخانے کا چکر لگاتے چلے گئے یہاں تک کہ تقریباً آدھ گھنٹے میں چکر پورا ہوا اور وہ پھر صدر دروازے کے نزدیک پہنچ گئے۔ کارخانے میں داخل ہونے کے لیے انہیں صرف ایک اضافی راستہ نظر آیا تھا۔ اور وہ راستہ تھا لوہے کا پائپ، جو چھت تک چلا گیا تھا، لیکن اس کے راستے میں کوئی کھڑکی وغیرہ نہیں تھی کہ وہ اس کے ذریعے سے چھت پر پہنچے بغیر اندر داخل ہو سکتے۔ آخر انہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ چھت پر پہنچا جائے، پھر دیکھا جائے گا، اندر کیسے جا سکتے ہیں۔

"فاروق، حسب معمول پہلے تم چھت پر جاؤ گے اور اگر اوپر کوئی خطرہ نظر نہ آئے تو ہمیں اشارہ دو گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی بہت بہتر۔ لیکن اگر چھت پر خطرہ ہوا تو کیا کروں؟" اس نے کہا۔

"تب پھر تم ہمیں کوئی اشارہ نہ دینا، صرف اپنے بچاؤ کی فکر کرنا۔"

"جی بہت اچھا۔ میں ایسا ہی کروں گا۔" اس نے کہا اور پائپ پر چڑھنے لگا۔

"نہیں جوتے بھی ساتھ لے جانے ہوں گے — ان کے بغیر ہم
تاریکی میں کارخانے کی سیر نہیں کر سکیں گے۔"
"لیکن ابا جان، جوتوں سمیت تو پائپ پر چڑھنا بہت مشکل
ہے۔" فاروق نے اعتراض کیا۔
"میرا مطلب ہے، جوتے اتار کر اپنے لباس میں کہیں اڑس
لو یا تسموں کے ذریعے کندھے سے لٹکا لو۔" وہ بولے۔
انہوں نے ایسا ہی کیا، پھر سب سے پہلے فاروق چھت پر
پہنچا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا۔ چھت بالکل خالی پڑی تھی۔ شاید
وہ استعمال میں بھی نہیں رہتی تھی؛ چنانچہ اس نے منڈیر پر جھکتے
ہوئے کہا:
"میدان صاف ہے، آپ لوگ بھی اوپر آ سکتے ہیں۔"
"چلو محمود — فاروق کے پاس پہنچ جاؤ۔ فاروق، چاروں طرف
نظر رکھنا۔" نیچے سے انسپکٹر جمشید بولے۔
"جی بہتر۔" اس نے کہا اور محمود پائپ پر چڑھنے لگا۔ اسے
فاروق کی نسبت چند منٹ زائد لگے، آخر وہ بھی چھت پر پہنچ ہی
گیا۔
"نیچے ابا جان، اوپر ہم دو ہو گئے۔ اب آپ فرزانہ کو بھی بھیج
دیجیے۔" فاروق بولا۔
"فاروق، آواز کو بلند نہ ہونے دو۔ صدر دروازہ یہاں سے زیادہ

دور نہیں ہے۔ کہیں تمہاری آواز چوکیدار نہ سن لے۔" انسپکٹر جمشید نے
دبی آواز میں کہا۔
"شکریہ ابا جان، میں اب خیال رکھوں گا۔"
جلد ہی فرزانہ بھی ان کے پاس کھڑی تھی اور انسپکٹر جمشید اوپر
چڑھ رہے تھے۔ اچانک انہوں نے قدموں کی آواز سنی۔ وہ چونک
اٹھے۔ قدموں کی آواز صدر دروازے کی طرف سے آتی معلوم ہو رہی
تھی۔ کوئی نیچے صدر دروازے سے ان کی طرف آ رہا تھا۔ اور انسپکٹر
جمشید نے ابھی نصف پائپ ہی طے کیا تھا۔ انہوں نے پہلے تو
نیچے دیکھا اور پھر اوپر۔ وہ نیچے صرف چند سیکنڈ میں ہی پہنچ سکتے
تھے، جب کہ اوپر چڑھنے میں انہیں چند منٹ لگتے؛ چنانچہ وہ فوراً
ہی نیچے پھسل گئے — اور پھر زمین پر لیٹ کر پیٹ کے بل
رینگتے ہوئے کارخانے کی دیوار سے دور ہونے لگے...
محمود، فاروق اور فرزانہ نے بھی احتیاطاً سر پیچھے ہٹا لیے، تاہم
ان کے کان نیچے کی طرف ہی لگے رہے۔ قدموں کی آواز نزدیک آ رہی
تھی۔ یہاں تک کہ انہوں نے محسوس کیا کہ اب گزرنے والا پائپ کے
قریب سے گزر رہا ہے۔ ان کے دل دھک دھک کرنے لگے۔ پھر آواز
دور ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ بالکل ختم ہو گئی۔ اب انسپکٹر جمشید واپس
پلٹے اور ایک بار پھر پائپ پر چڑھنے لگے۔ چھت پر پہنچ کر انہوں
نے چند منٹ تک سانس لیا، پھر بولے:

"وہ چوکیدار ہی تھا، شاید رات کے وقت کارخانے کے ارد گرد کا چکر لگانا بھی اس کی ڈیوٹی ہے۔ اب اگر وہ مجھے پائپ پر چڑھتے دیکھ لیتا تو الجھن پیدا ہونے کا خطرہ تھا۔ اس لیے میں نے نیچے اتر کر چھپنا زیادہ مناسب سمجھا۔"

"آپ نے بہت اچھا کیا۔ کیا اب ہم نیچے اترنے کا راستہ تلاش کریں؟"

"ہاں، ضرور تلاش کرو، لیکن میرا خیال ہے، زینہ دوسری طرف سے بند ہوگا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تب پھر ہم کس طرح جائیں؟"

"آؤ دیکھتے ہیں۔"

پنسل ٹارچ کی مدد سے وہ زینے تک پہنچ گئے، لیکن ان کے خیال کے مطابق زینہ دوسری طرف سے بند ہی تھا۔ اب انہوں نے کارخانے کے صحن میں اترنے کے امکانات کا جائزہ لیا۔ اونچائی کافی تھی اور نیچے پختہ فرش تھا۔ اس فرش پر لوہے کے سانچے [illegible] نہ جانے کیا کیا الا بلا پڑا تھا، گویا چھلانگیں لگانا خطرے سے خا[illegible] نہیں تھا۔

"بھئی، یہ تو معاملہ الجھ گیا۔"

"ہمارا تو خیال تھا کہ آپ رسی ساتھ لے کر آئے ہوں گے۔" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"رسی ساتھ لانا تو میں گھر میں ہی بھول گیا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ یہاں ان حالات سے سابقہ پڑے گا۔ میرا تو خیال یہ تھا کہ صوفی جبار کسی چکر میں پھنس گیا ہے اور اسے اس چکر سے نکالنا ہوگا، لیکن یہاں تو معاملہ ہی الٹ ہے۔"

"پھر اب کیا کریں۔ رسی کے بغیر کیسے نیچے اتریں؟"

"اب ہمیں چوکیدار سے ہی نبٹنا ہوگا، لیکن اس طرح کہ کسی کو شک نہ ہو کہ ہم لوگ کارخانے میں داخل ہوئے تھے۔"

"یہ کیسے ہوگا؟" فاروق نے بے چین ہو کر کہا۔

"آؤ میرے ساتھ۔" یہ کہہ کر وہ پائپ کے بالمقابل سمت میں منڈیر تک پہنچے اور سرگوشی میں بولے۔

"چوکیدار چکر لگاتا ہوا نیچے سے گزرے گا، بس اسی وقت میرا ہاتھ چل جائے گا۔" یہ کہہ کر انہوں نے منڈیر کی ایک اینٹ اکھاڑ لی۔ اس کام میں انہیں زیادہ طاقت صرف کرنا پڑی۔

"آپ کرنا کیا چاہتے ہیں؟" محمود بولا۔

"چوکیدار کو بے ہوش کر کے چابی حاصل کریں گے اور پھر صدر دروازہ کھول کر اندر داخل ہوں گے۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔" انہوں نے کہا۔

"لیکن ابا جان، اس میں خطرہ ہی خطرہ ہے۔ ہو سکتا ہے [illegible] مقرر کردہ کوئی وقفے وار آدمی ادھر آ نکلے اور دروازے کو کھلا پا کر

اور چوکیدار کو موجود نہ پا کر خطرے کی گھنٹی بجا دے۔" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"تب پھر، تمہارے خیال میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"ہمیں چاہیے کہ چوکیدار کو بے ہوش کریں، اس سے چابی بھی حاصل کریں اور پھر صدر دروازہ اس سے کھولیں۔ ہم میں سے ایک اندر جائے اور زینہ کھول آئے۔ اس کے بعد بیرونی دروازہ اسی طرح بند کر دیا جائے۔ چابی واپس چوکیدار کی جیب میں رکھ دی جائے اور اس کے بعد ہم زینے کے ذریعے نیچے پہنچ کر اپنی کارروائی مکمل کریں۔"

"ترکیب بہت زوردار ہے۔"

"لو، وہ قدموں کی آواز شروع ہو گئی۔" انسپکٹر جمشید نے سرگوشی کی۔

اور پھر انہوں نے نشانہ لیا اور اینٹ گرا دی۔ چوکیدار دھپ کی آواز کے ساتھ گرا، اس کے ساتھ ہی ایک گھٹی گھٹی چیخ اس کے حلق سے نکل گئی۔

"تم تینوں یہیں رہو، نیچے کا کام میں کروں گا۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید واپس پائپ تک گئے اور اس کے ذریعے نیچے اتر کر دیوار کے ساتھ ساتھ چکر لگانے لگے۔ وہ صدر دروازے کے پاس سے گزر کر بے ہوش چوکیدار کے پاس پہنچے اور اس کی تلاشی لی۔ چابیوں کا گچھا انہیں فوراً ہی مل گیا۔ اب وہ پھر صدر دروازے

کی طرف آئے اور دروازے پر لگا تالا سب سے بڑی چابی سے کھول ڈالا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ چھت پر ان کے ساتھ ساتھ سفر کر رہے تھے۔ جب انہوں نے اپنے والد کو کارخانے کے دروازے سے اندر داخل ہوتے دیکھا تو وہ زینے کی طرف بڑھے اور اس کے کھلنے کا انتظار کرنے لگے۔ وقت چیونٹی کی رفتار سے گزر رہا تھا۔ ان کے دلوں کی دھڑکن بڑھتی جا رہی تھی۔ آخر فرزانہ نے گھڑی پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا:

"حیرت ہے، اس وقت تک ابا جان کو یہاں پہنچ جانا چاہیے تھا۔"

"بھئی، دن کے وقت ہم نے سارے کارخانے کا جائزہ تو لیا نہیں تھا۔ انہیں زینے کا راستہ تلاش کرنے میں مشکل پیش آ رہی ہوگی۔" محمود بولا۔

"ہوں، بات بالکل ٹھیک ہے۔ فرزانہ کی تو عادت ہے، بات بے بات پریشان ہونے لگتی ہے۔"

"اور تم تو جیسے ہمیشہ پریشان ہونے کے لیے بات اور صرف بات کا انتظار کرتے ہو۔" فرزانہ نے جل بھن کر کہا۔

"بھئی یہ بات اور صرف بات کی سمجھ نہیں آئی۔" محمود مسکرایا۔

"یہ [illegible] بات کا اثر ہے۔" فاروق نے بھی مسکرا کر کہا۔

چند منٹ اور گزر گئے۔ اب تو محمود نے بھی گھڑی کی طرف

دیکھا اور بولا،

"حیرت ہے، ابّا جان کہاں رہ گئے۔"

"خدا کا شکر ہے، تمہیں بھی حیرت کا احساس تو ہوا۔" فرزانہ جل کر بولی۔

"حیرت کا احساس، بھئی واہ، کیا بات ہے۔" فاروق نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

چند منٹ اور گزر گئے اور پھر فاروق نے گھڑی کی طرف دیکھنے کے بعد کہا۔

"میرا خیال ہے۔ اب تو ہمیں بھی پریشان ہو ہی جانا چاہیے۔"

"نہیں نہیں، رہنے دو، کیا ضرورت ہے۔" فرزانہ کے لہجے میں بلا کی جھلاہٹ تھی۔

اور پھر نصف گھنٹہ گزر گیا۔ وہ بُری طرح بے چین ہو گئے۔

بیگ

"ہم اس سے زیادہ انتظار نہیں کر سکتے۔" محمود نے فکر مندانہ لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے، لیکن ہم میں سے کم از کم ایک کا چھت پر رہنا ضروری ہے۔ کیا خبر ابّا جان آ کر دروازہ کھول دیں اور ہم میں سے کسی کو یہاں نہ پا کر پریشان ہو جائیں۔" فاروق بولا۔

"ٹھیک ہے، میں یہاں ٹھہروں گی۔ تم دونوں نیچے جاؤ۔" فرزانہ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"اچھی بات ہے، تمہیں ڈر تو نہیں لگے گا؟"

"ڈر کس چیز کا نام ہے۔ جاؤ، وقت ضائع کرنے کا وقت نہیں۔" فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

"اور خود تو جیسے چلے ہیں وقت کا ضرورت سے زائد استعمال کر کے وقت ضائع ہی نہیں کیا۔" محمود نے چڑ کر کہا اور پائپ کی طرف چل پڑا۔ فاروق نے اس کا ساتھ دیا۔ فرزانہ ٹینکی کے پاس

کھڑی رہ گئی۔

دونوں پائپ کے ذریعے نیچے اترے اور ہوتے ہوئے صدر دروازے کی طرف چل پڑے۔ ان کے دل رہ رہ کر دھڑک رہے تھے۔ کوئی نہ کوئی بات ضرور تھی، ورنہ ان کے والد اتنی دیر نہیں لگا سکتے تھے۔ آخر وہ صدر دروازے پر پہنچ گئے۔ انھوں نے دیکھا، دروازہ کھلا تھا۔ وہ بے دھڑک اندر داخل ہو گئے۔ اندر مکمل طور پر تاریکی تھی اور ان کے پاس پنسل ٹارچ بھی نہیں تھی۔ پنسل ٹارچ رکھنے کی عادت ان کے والد کو تھی۔ اس لیے انھوں نے کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔ انھوں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندر دیکھا۔ پھر ٹٹول ٹٹول کر آگے بڑھے۔

"یار فاروق، اس اندھیرے میں ہم چوٹ نہ کھا جائیں۔" محمود نے سرگوشی کی۔

"ابا جان کے پاس پنسل ٹارچ تھی۔ ان کے ساتھ پتا نہیں کیا بیتی۔ ہم بغیر ٹارچ کے ہیں۔ شاید اس خطرے سے بچ جائیں، جس سے وہ دوچار ہوئے ہیں۔" فاروق نے بھی سرگوشی کی۔

"بات کو ہمیشہ گھما پھرا کر کرتے ہو۔" محمود نے منہ بنایا۔

"دائیں طرف مجھے روشنی کی ایک کرن نظر آتی ہے، اگر تم مناسب سمجھو تو، ادھر ایک نظر ڈال لو اور اگر ایک نظر ڈالنے سے کام نہ بنے تو دو چار نظریں ڈال لینا۔"

محمود نے کوئی جواب دیے بغیر اس سمت دیکھا، روشنی کی ایک کرن اسے بھی نظر آئی۔

"ٹھیک ہے، ہم اس سمت میں جانے کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔"

دونوں دبے پاؤں آگے بڑھے۔ دل اب اور بھی زور سے دھڑکنے لگے تھے۔ نزدیک پہنچنے پر انھوں نے دیکھا، وہ ایک کمرے کے باہر کھڑے تھے اور اس کے دروازے کی درز میں سے روشنی باہر جھانک رہی تھی۔ دروازہ درمیان میں سے ذرا سا کھلا تھا، ورنہ انہیں روشنی کی یہ کرن بھی دکھائی نہ دیتی۔ انھوں نے کان دروازے کے بالکل نزدیک کر دیے۔ ساتھ اس لیے نہیں لگائے کہ کہیں دروازہ کھل نہ جائے، لیکن کسی قسم کی کوئی آواز سنائی نہ دی۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، وہ انہیں سایوں کی مانند نظر آ رہے تھے۔ محمود نے سر کا اشارہ کیا اور دروازے پر تھوڑا سا دباؤ ڈالا۔ دروازہ آواز پیدا کیے بغیر تھوڑا سا اور کھل گیا اور اندر کا منظر انہیں صاف نظر آنے لگا۔ وہ دھک سے رہ گئے، پھر اس سے پہلے کہ وہ اندر قدم رکھتے ان کے سروں پر قیامت ٹوٹ گئی۔ وہ منہ کے بل زمین پر گرے اور اس طرح گرے کہ ان کے سر دروازے کے بیچوں بیچ سے گزرے، ان کے آدھے دھڑ دروازے سے باہر اور آدھے کمرے کے اندر تھے۔ دوسرے ہی لمحے ان کے ذہن تاریکیوں میں ڈوبتے چلے گئے۔

(١٠)

فرزانہ بار بار گھڑی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی بے چینی اپنے
عروج پر تھی۔۔ ابھی تک اسے نہ تو زینے پر قدموں کی آہٹ سنائی
دی تھی اور نہ پائپ کی طرف سے محمود اور فاروق کی آواز ہی سنائی
دی تھی۔۔ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا، سانس اس کے سینے میں
اٹک اٹک جا رہا تھا اور پھر اس نے بے قرار ہو کر ایک لمبا سانس
کھینچا اور پائپ کی طرف بڑھ گئی۔ اب مزید رکنا اس کے بس کی
بات نہیں رہی تھی۔۔۔ وہ پائپ کے ذریعے نیچے اتری اور صدر دروازے
کی طرف چل پڑی، لیکن اب اس نے ہر ممکن احتیاط کا دامن تھام
لیا تھا۔۔ وہ دیوار کے ساتھ لگ کر چل رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ
اس کی رفتار بہت کم تھی۔ آخر خدا خدا کرکے صدر دروازے کی
صورت نظر آئی۔ اس نے دور رہ کر چند منٹ تک دروازے کا جائزہ
لیا۔ جب کسی حرکت کے آثار نظر نہ آئے تو آگے بڑھی اور اندر
داخل ہو گئی۔ اندر گھپ اندھیرا تھا۔ اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔
آخر دائیں طرف اسے روشنی کی ایک کرن دکھائی دی۔ اس نے اس
طرف قدم اٹھایا، لیکن پھر رک گئی۔۔ اس نے دل ہی دل میں کہا
"ابا جان کو بھی روشنی کی یہ کرن نظر آئی ہوگی اور وہ اسی

طرف بڑھ گئے ہوں گے، پھر نہ جانے ان کے ساتھ کیا حادثہ پیش
آیا۔ آخر محمود اور فاروق کو نیچے اترنا پڑا۔ یہاں پہنچ کر انہیں بھی
روشنی کی کرن نظر آئی ہوگی اور وہ بھی اسی طرف چل پڑے ہوں گے
لیکن وہ بھی واپس نہیں لوٹ سکے، جس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں
بھی کوئی نہ کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے، لیکن میں، میں بھی اگر
اسی طرح اسی سمت میں چل پڑوں تو بات ہی کیا ہوئی۔ نہیں،
میں اس طرح آگے نہیں بڑھوں گی۔"

یہ سوچتے ہوئے اس نے خود کو نیچے گرا دیا اور پیٹ کے
بل رینگتے ہوئے اسی سمت میں چلنے لگی۔ کچھ نزدیک پہنچ کر وہ
رک گئی اور اس نے دیکھا کہ روشنی کی کرن ایک کمرے کے دروازے
سے آ رہی تھی۔۔ وہ لیٹی لیٹی سوچتی رہی۔ آخر کمرے سے دور رہ کر
نیم دائرے کی صورت میں آگے بڑھنے لگی اور اس طرح کمرے کے
دروازے کے سامنے پہنچنے کے بجائے بائیں طرف آ گئی۔ دیوار کے پاس
اسے کوئی نظر نہ آیا، تو کمرے کے پچھلے حصے کی طرف آ گئی۔ یہاں بھی
کوئی نہیں تھا۔ اب وہ دائیں طرف آئی اور اس نے دیکھا، ایک شخص
دیوار کے ساتھ لگا کھڑا ہے اور اس کے ہاتھ میں ڈنڈے جیسی کوئی
چیز ہے۔۔ وہ سمجھ گئی کہ پہرا لگا ہوا ہے۔ اس نے زمین کو ہاتھوں سے
ٹٹولنا شروع کیا۔ بغیر کسی ہتھیار کے وہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا
سکتی تھی۔ آخر اس کے ہاتھ ایک لکڑی آ گئی۔ لکڑی بہت پتلی

ذرنی تھی ؛ البتہ اس کی لمبائی زیادہ نہیں تھی۔ اس قسم کی لکڑیاں ضرور
کارخانے میں کسی جگہ کام آتی ہوں گی، ورنہ یہاں اس کا کیا کام ہو
سکتا تھا۔ اس نے لکڑی کو ہاتھ میں تولا۔ دیوار کے ساتھ کھڑے آدمی
کا نشانہ لیا اور پھر لکڑی پھینک کر مارنے کے لیے تیار ہو گئی۔ یہ
اندازہ وہ پہلے ہی لگا چکی تھی کہ اگر اس کا نشانہ چوک گیا تو وہ
شدید خطرے میں گھر جائے گی اور ان حالات میں اس کا شدید خطرے
میں گھرنا بہت خوف ناک بات تھی۔ اس کے والد اور دونوں بھائی
اگر کسی مصیبت میں نہ گھر گئے ہوتے تو بات اور تھی۔ اس لیے
اس نے خوب سوچ سمجھ کر نشانہ لیا اور پھر لکڑی پھینک دی۔ لکڑی
چکر کھاتی ہوئی تیزی سے اس آدمی کی طرف گئی اور پھر اس نے
اسے تیورا کر گرتے دیکھا۔ اس پر بھی فرزانہ اپنی جگہ ہی دبکی رہی۔
یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ لکڑی اوچھی لگی ہو اور اس کے نزدیک آتے
ہی دشمن اس پر ٹوٹ پڑے۔ جب کافی دیر گزر گئی اور دشمن کے
جسم میں کسی حرکت کے آثار نظر نہ آئے تو وہ سمجھ گئی کہ وہ
واقعی بے ہوش ہو گیا ہے۔ اب وہ آگے بڑھی، لیکن اٹھی اب
بھی نہیں تھی۔ اسی طرح رینگتے ہوئے وہ گرے ہوئے دشمن تک
پہنچ گئی۔ اس نے اسے ہلا جلا کر دیکھا، وہ مکمل طور پر بے ہوش
اسے وہیں چھوڑ کر وہ کمرے کے دروازے تک آئی اور اندر جھانکا
اس نے دیکھا کہ اس کے والد، محمود اور فاروق بے بس پڑے

ہوئے تھے۔ جب کمرے میں کسی اور کی موجودگی کے کوئی آثار نظر
نہ آئے تو وہ اللہ کا نام لے کر اندر گھس گئی۔ کمرے میں اور
کوئی بھی نہیں تھا۔ تینوں کے سروں سے خون بہہ رہا تھا۔ اس
صورتِ حال نے اسے بوکھلا دیا۔ اسے خوف محسوس ہوا کہ کہیں باہر
پڑا دشمن ہوش میں نہ آ جائے اور اس کے لیے مصیبت نہ بن
جائے؛ چنانچہ وہ ایک بار پھر باہر نکلی اور اس کے سر پر ایک
زوردار ڈنڈا اور رسید کیا۔ جب اس نے اس کے سر سے خون
ابل کر باہر آتے دیکھا تو وہ مسکرا اٹھی۔ گویا یہ انتقام لیا تھا
اس نے اور اپنا بچاؤ بھی کیا تھا۔ اب وہ پھر کمرے میں داخل ہوئی۔
محمود کے جوتے کی ایڑی کھسکا کر چاقو نکالا اور اس کے ذریعے
سے اپنے دوپٹے کو کاٹ کاٹ کر پٹیاں بنانے لگی، پھر اس نے
ان کے زخم صاف کیے اور پٹی کرنے لگی۔ مرہم تو اس کے پاس
تھا نہیں، خالی پٹیاں ہی کر سکتی تھی؛ تاہم اس کام سے اتنا ضرور
ہوا کہ خون بہنا بند ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے انھیں ہلانا
جلانا شروع کیا۔ دھیرے دھیرے آوازیں بھی دیں۔ اچانک اسے
اس چوکیدار کا خیال آیا، جس کے سر پر اینٹ مار کر بے ہوش کر
دیا گیا تھا اور وہ ابھی تک باہر ہی پڑا تھا۔ ہوش میں آنے پر
وہ بھی ان کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ اس میں ہوش کے
آثار نہ پا کر وہ باہر نکلی۔ لکڑی کا ڈنڈا ہاتھ میں لیا اور

صدر دروازے سے نکل کر دیوار کے ساتھ ساتھ چل پڑی۔ چوکیدار اسی
جگہ پڑا نظر آیا۔ اس نے ایک ڈنڈا اس کے سر پر اور رسید
کیا اور خون نکلتے دیکھ کر واپس مڑی۔ دوبارہ کمرے میں داخل ہوئی
تو تینوں اب تک بے سدھ پڑے تھے۔ اس نے انہیں پھر جگانا
شروع کیا۔ آخر آدھ گھنٹے کی کوشش کے بعد کہیں جا کر انسپکٹر
جمشید نے آنکھ کھولی۔ چند سیکنڈ تک فرزانہ کو گھورتے رہنے کے
بعد وہ مسکرا دیے اور بولے:

"شکریہ فرزانہ، محمود اور فاروق کہاں ہیں؟"

"آپ کے دائیں بائیں پڑے ہیں۔"

"ارے کیا یہ بھی اس کا نشانہ بن گئے تھے؟" وہ چونکے۔

"جی ہاں، میں سب سے آخر میں ادھر آئی تھی۔"

"خدا کا شکر ہے کہ تم عقلمندی دکھا گئیں، ورنہ تمہارا بھی یہی
حشر ہوتا۔"

اسی وقت محمود نے آنکھیں کھول دیں۔ دو منٹ بعد فاروق
بھی ہوش میں آ گیا۔ فرزانہ نے انہیں بتایا کہ اس نے کس طرح
دشمن سے مقابلہ کیا۔ اس کے خاموش ہونے پر انسپکٹر جمشید نے
کہا۔

"اب ہمیں یہاں نہیں ٹھہرنا چاہیے۔"

"کیوں نہ پہلے ہم دونوں چوکیداروں کی خبر لے لیں۔ اگر وہ

ہوش میں آ گئے اور انہوں نے کسی کو فون کر دیا تو ہم اپنے پروگرام
پر عمل نہیں کر سکیں گے۔" محمود بولا۔

"ہاں، یہ ٹھیک رہے گا۔"

پہلے وہ کمرے کے باہر پڑے دشمن کے پاس آئے۔ اسے
ہلا جلا کر دیکھا اور پھر انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا:

"ارے، یہ تو مر گیا ہے۔"

"اوہو اچھا، میں نے ڈنڈا اتنے زور سے تو نہیں مارا تھا۔"

"چلو خیر، کوئی بات نہیں۔ یہ لوگ کون سا اچھے آدمی ہیں۔
مونٹاف کے ہی آدمی ہیں نا، جنہوں نے لوگوں کو غلام بنا رکھا
ہے اور ان کے خون سے ہولی کھیلتے پھرتے ہیں۔ آؤ، اسے
دیکھیں جو باہر پڑا ہے۔"

وہ دوسرے کے پاس آئے، وہ بھی مر چکا تھا۔ انسپکٹر جمشید
نے کچھ سوچ کر اسے کندھے پر ڈال لیا اور صدر دروازے کی طرف
چل پڑے۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟"

"بس دیکھتے جاؤ، میں چاہتا ہوں۔ صبح ہونے پر بھی کسی کو
معلوم نہ ہو کہ یہاں کیا ہوا ہے۔" انہوں نے کہا۔

پھر وہ دوسرے چوکیدار کے پاس آئے۔ انسپکٹر جمشید نے
ایک ڈنڈا ان میں سے ایک کے ہاتھ میں اور دوسرا ڈنڈا دوسرے

کے ہاتھ میں دے دیا اور دونوں کو ایک دوسرے سے تھوڑے فاصلے
پر لٹا دیا۔
"اب بالکل ایسا معلوم ہوگا جیسے بات کے وقت ان دونوں کا
کسی بات پر جھگڑا ہو گیا اور جھگڑا اتنا بڑھا کہ انھوں نے ایک
دوسرے پر ڈنڈے برسا دیے۔ یہاں تک کہ دونوں مر گئے۔" انسپکٹر
جمشید بولے۔
"ویری گڈ، لیکن اگر کسی کی نظر اس اینٹ پر پڑ گئی جو ہم
دیوار کے پاس چھوڑ آئے ہیں اور جو آپ نے منڈیر سے اکھاڑ کر
پہلے چوکیدار کے سر پر ماری تھی۔" محمود نے کہا۔
"اوہ ہاں، ٹھیک ہے۔ تم دونوں جا کر وہ اینٹ کہیں دور پھینک
دو، لیکن ذرا جلدی آنا۔"
محمود اور فاروق فوراً ہی باہر نکل آئے۔ واپس لوٹے تو انسپکٹر
جمشید اور فرزانہ کمرے کا جائزہ لیتے نظر آئے۔
"آپ کیا دیکھ رہے ہیں ابا جان؟" محمود بولا۔
"بس یوں ہی کمرے کا جائزہ شروع کر دیا تھا۔ تم دونوں کا
انتظار جو کرنا تھا۔ اب یہ اور بات ہے کہ یہ جائزہ لینا بھی بے کار
نہیں گیا۔" یہ کہتے وقت وہ مسکرائے۔
"کیا مطلب، کوئی کام کی چیز مل گئی ہے کیا؟"
"ہاں، یہ دیکھو۔" انھوں نے ایک طرف اشارہ کیا۔

محمود اور فاروق نے فوراً ادھر دیکھا۔ ان کی نظر چمڑے کے ایک
بیگ پر پڑی۔ بیگ فرش پر رکھا تھا۔ اس کی زپ کھلی ہوئی تھی اور
اس میں کچھ کپڑے بھرے ہوئے تھے۔
"یہ تو چمڑے کا ایک بیگ ہے اور اس میں کپڑے بھرے
ہوئے ہیں، پھر بھلا یہ کام کی چیز کیسے ہو گئی؟" محمود نے چونک کر
پوچھا۔
فرزانہ نے اپنے والد کو بیگ اتارتے اور کھولتے دیکھا تھا۔ اس
سے پہلے وہ دیوار میں لگی ایک کھونٹی سے لٹکا ہوا تھا۔ بیگ کھول
کر دیکھنے کے بعد انھوں نے اس کے بارے میں کوئی لفظ نہیں
کہا تھا، لہٰذا اسے بھی یہ بات معلوم نہیں تھی کہ یہ کام کی چیز
کس طرح ہے؛ چنانچہ وہ بھی حیرت بھری نظروں سے انھیں دیکھنے لگی۔
"کم از کم میرا ایک اندازہ ضرور درست ثابت ہو گیا۔" انسپکٹر جمشید
پُراسرار لہجے میں بولے۔
"کون سا اندازہ، آپ نے تو اس کیس کے دوران کسی اندازے کی
بات نہیں کی۔"
"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ اور نہ میں اس وقت اپنا اندازہ تمھیں بتاؤں
گا؛ البتہ اس بیگ اور بیگ میں موجود کپڑوں کے بارے میں ضرور
بتاؤں گا۔" یہ کہہ کر وہ ایک بار پھر خاموش ہو گئے۔
"لیکن آپ اس اندازے کے متعلق کیوں نہیں بتائیں گے؟"

فرزانہ الجھ کر بولی۔

"اس لیے کہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ — یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میرا اندازہ بالکل غلط ہو۔ اس لیے جب تک مجھے یہ اندازہ نہیں ہو جاتا کہ میرا اندازہ غلط نہیں ہو سکتا، اس وقت تک بتانا نہیں چاہتا۔"

"آپ تو ہمیں بے چین کیے دے رہے ہیں۔ — چلیے بیگ کے بارے میں تو بتا دیں۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"ہاں کیوں نہیں، یہ بیگ میرے دوست صوفی جبار کا ہے۔"

"کیا؟" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

اُس کا کمرہ

"ہاں، اور اس بیگ میں کپڑے بھی صوفی جبار کے ہیں، لیکن حیرت یہ ہے کہ اس بیگ کا یہاں کیا کام۔ — وہ تو اس کرائے کی عمارت میں رہائش پذیر تھا، پھر اس بیگ کا یہاں کیا کام؟"

"بات تو واقعی عجیب ہے۔" فرزانہ بولی۔

"خیر، آؤ اب آگے چلیں۔ کہیں یہاں ہی دن نہ نکل آئے۔"

انھوں نے بیگ کو بند کیا اور اسی کھونٹی پر ٹانگ دیا، باہر نکل کر ایک نظر دونوں مردہ چوکیداروں پر ڈالی۔ — وہ بالکل ایسے انداز میں پڑے تھے، جیسے ایک دوسرے سے لڑتے لڑتے گر پڑے ہوں۔

"انھیں دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ انھوں نے ایک دوسرے کو ہلاک نہیں کیا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ابا جان، ہم کیوں نہ صدر دروازہ اندر سے بند کر دیں، تاکہ صبح دروازہ کھلنے میں بھی دیر لگے۔" فرزانہ نے تجویز پیش کی۔

"یہ اور اچھی ترکیب ہے ..." انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رک گئے۔

اور فرزانہ کو گھورنے لگے۔ فرزانہ انہیں اس طرح گھورتے دیکھ کر بوکھلا گئی۔ محمود اور فاروق بھی حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ آخر فاروق سے رہا نہ گیا:

"ابا جان، اگر فرزانہ نے اور بھی اچھی ترکیب بتائی ہے تو پھر آپ اسے اس طرح کیوں گھور رہے ہیں۔ اس طرح تو یہ ترکیبیں بتانا ہی چھوڑ دے گی۔"

فاروق کی بات سن کر وہ مسکرا دیے اور بولے:

"اچھا چلو، تم ہی بتاؤ میں فرزانہ کو کیوں گھور رہا ہوں؟"

"جی، کیا فرمایا، میں بتاؤں؛ بھلا میں کیسے بتا سکتا ہوں، گھور آپ رہے ہیں۔" فاروق گڑبڑا گیا۔

"محمود، تم بتاؤ۔"

"جی، یعنی کہ میں۔۔۔ آپ کا مطلب ہے، میں یہ بتاؤں کہ آپ فرزانہ کو کیوں گھور رہے ہیں۔" محمود بوکھلا اٹھا۔

"ہاں، جلدی بتاؤ۔" وہ بولے۔

"بس، سوری ابا جان، میں نہیں سمجھ سکا کہ آپ فرزانہ کو کیوں گھور رہے ہیں۔"

"حالانکہ بات بالکل سامنے کی ہے، کیوں فرزانہ؟"

"آپ کہتے ہیں تو ضرور بالکل سامنے کی ہوگی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں خود بھی نہیں سمجھ سکی۔"

"بھئی دیکھو، تم نے کہا ہے کہ ہمیں صدر دروازہ اندر سے بند کرنا چاہیے، اس طرح کارخانے میں کام کرنے والے لوگ اور دیو سے اندر داخل ہوں گے۔۔۔ تو کیا اس سے تمہارا مطلب یہ ہے کہ اب اس راستے سے واپس نہیں جائیں گے یا سرے سے واپس جائیں گے ہی نہیں؟"

"اوہ، اس پہلو کی طرف تو میرا دھیان گیا ہی نہیں۔ لاحول ولا قوۃ۔۔۔ صاف ظاہر ہے، ہم اسی راستے سے واپس جائیں گے اور اس صورت میں ہم دروازہ اندر سے بند نہیں چھوڑ سکتے۔"

"یہ بات نہیں فرزانہ، بلکہ بات کچھ اور ہے، اس کی تہہ تک صرف میں پہنچ سکتا ہوں۔۔۔ بات دراصل یہ ہے کہ تمہارے لاشعور میں یہ بات تھی کہ ہم مونشاف کی آمدورفت کا راستہ دریافت کریں گے اور اسی راستے سے چلے جائیں گے، واپسی اس طرف سے نہیں ہوگی۔" انھوں نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"اوہ، آپ ٹھیک کہتے ہیں۔۔۔ لیکن اپنے لاشعور کی بات خود میں کیوں نہ سمجھ سکی۔" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"اسی کو تو لاشعور کہتے ہیں۔۔۔ خیر اس بحث کو چھوڑو۔۔۔ ہم بہر حال تمہاری تجویز پر ہی عمل کریں گے۔ آؤ دروازہ بند کر کے آگے بڑھیں۔" انھوں نے کہا۔

چاروں نے مل کر دروازہ اندر سے بند کیا۔۔۔ اور پنسل ٹارچ کی

دور سے آگے بڑھنے لگے۔ انہیں اب اس کمرے کی تلاش تھی جس میں
بیٹھ کر انہوں نے موشاف سے بات کی تھی اور اس کمرے تک
وہ آسانی سے صرف اس صورت میں پہنچ سکتے تھے جب اس
گیراج نما کمرے تک پہنچ جاتے جس میں انہوں نے وین کو کھڑے
دیکھا تھا۔ صدر دروازے سے ایک چوڑی اور پختہ سڑک سیدھی اندر
جا رہی تھی۔ اس کے دائیں اور بائیں شیڈ بنے ہوئے تھے۔
ان شیڈوں میں مشینیں لگی تھیں۔ وہ دونوں سمتوں کا جائزہ لیتے
ہوئے آگے بڑھنے لگے۔

"یہ موشاف بھی عجیب شے ہے۔ صابن کے کارخانے کو اپنا
ہیڈ کوارٹر بنا رکھا ہے۔" محمود بڑبڑایا۔

"خود کو پوشیدہ رکھنا بھی تو آسان کام نہیں۔" انسپکٹر جمشید
بولے۔

دس منٹ تک چلتے رہنے کے بعد انہیں چند کمرے نظر آئے
ان کمروں کے دروازے بڑے بڑے تھے، جن میں سے گاڑیاں بھی
گزر سکتی تھیں۔

"ہو نہ ہو، یہی وہ گیراج نما کمرے ہیں۔" فاروق بولا۔

"دیکھ لیتے ہیں انہیں بھی۔"

کمروں کے نزدیک پہنچے تو ان کے دروازوں پر تالے لگے
ہوئے۔ چوکیدار کی پیٹی سے نکالا ہوا چابیوں کا گچھا ابھی تک انسپکٹر

جمشید کے پاس تھا۔ انہوں نے اس گچھے کی چابیاں ان تالوں میں
لگانا شروع کیں۔ لیکن اس گچھے میں کسی چابی سے کوئی تالا نہ
کھل سکا۔ انسپکٹر جمشید کو چابیوں کا اپنا گچھا نکالنا پڑا۔ آخر ایک
ایک کرکے سبھی تالے کھل گئے۔ انہوں نے پہلے کمرے کا دروازہ
کھولا اور پھر دھک سے رہ گئے۔ اندر کوئی گاڑی نہیں کھڑی تھی۔
یہ ایک بہت بڑا ہال تھا اور بہت اونچا تھا۔ پورے کا پورا
اسلحے سے بھرا پڑا تھا۔ ہر قسم کے اسلحے سے۔ بندوقیں، مشین
گنیں، دستی بم، چھوٹی توپیں اور نہ جانے کس کس قسم کا اسلحہ وہاں
موجود تھا۔

"اب سمجھ میں آیا، موشاف نے اپنا ہیڈ کوارٹر صابن کے کارخانے
کو کیوں بنایا ہے۔ صابن بنانے کی مشینوں کے بہانے پیٹیوں میں اسلحہ
منگوایا جاتا ہے۔ ضرور موشاف کے پیچھے کوئی بڑی طاقت ہے۔ یعنی
بڑا ملک اور وہ موشاف کے ذریعے اس ملک کا تختہ الٹنا چاہتا ہے۔"

"اف خدا، موشاف کی شخصیت تو ہر لحظہ ایک نیا رخ اختیار
کرتی جا رہی ہے۔" محمود نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا۔

"آؤ، دوسرا کمرہ دیکھیں۔"

دوسرا کمرہ بھی اسلحے سے پُر نکلا۔ ان کے ماتھے پسینے میں
اٹنے لگے۔ اس ملک کا تختہ الٹنے سے ان کے [illegible] ملک کو [illegible]
پہنچنا ضروری تھا۔ دونوں ملکوں میں گہرے دوستانہ تعلقات تھے جبھی

کمرہ گولہ اور بارود سے اٹا نظر آیا، اور پھر وہ ایک ایک کمرہ دیکھتے چلے گئے۔ سب کے سب کمرے اسلحے اور گولہ بارود سے بھرے پڑے تھے۔ ان میں ایک بھی کمرہ گیراج کے طور پر استعمال نہیں ہو رہا تھا۔

"وہ گیراج نما کمرہ کہیں آگے ہوگا، آؤ چلیں۔" انسپکٹر جمشید فکرمندانہ لہجے میں بولے۔

آگے بڑھنے سے پہلے انہوں نے تمام دروازے بند کر دیے۔ تالے لگا دیے۔ چند منٹ تک چلنے کے بعد انہیں دوسری سمت میں چند ویسے ہی کمرے نظر آئے۔ ان کے بھی تالے کھولے گئے اور یہ دیکھ کر ان کی جان میں جان آئی کہ یہ کمرے بطور گیراج استعمال کیے جا رہے تھے۔ ان سب میں گاڑیاں کھڑی تھیں۔ ان میں زیادہ تر ویگنیں تھیں، جو شاید سامان لے جانے اور سامان لانے کے کام آتی تھیں۔ ایک گیراج میں انہیں وہ ویگن بھی نظر آئی، جس میں انہیں لایا گیا تھا اور یہ دیکھ کر ان کا دل بلیوں اچھلنے لگا کہ اس گیراج میں سے ایک دروازہ اندرونی طرف کھل رہا تھا۔ اب جو وہ اس دروازے میں سے نکلے۔ وہی راستہ نظر آیا جس سے ہوتے ہوتے وہ پاس والے کمرے میں گئے تھے۔

"لو بھئی، آخر ہم نے وہ کمرہ تلاش کر ہی لیا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

جوش کے عالم میں وہ آگے بڑھے اور صرف دو منٹ بعد

وہ اس کمرے کے سامنے کھڑے تھے۔ یہاں بھی مکمل تاریکی اور ہو کا عالم طاری تھا۔

⊙

انسپکٹر جمشید نے کمرے کے دروازے کو دونوں ہاتھوں سے دھکیلا، لیکن اسے تو اندر سے بند کیا گیا تھا۔ انہوں نے پریشان ہو کر تینوں کی طرف دیکھا۔ دروازے میں تالے کا کوئی سوراخ بھی نہیں تھا کہ وہ چابیاں لگا کر ہی کھولنے کی کوشش کر سکتے۔

"اب کیا کریں۔ اگر ہم اس کمرے میں داخل نہ ہو سکے تو ساری محنت ضائع جائے گی۔"

"ٹھہریے، ہم دائیں بائیں سمتوں کا جائزہ لے لیں۔" محمود نے کہا۔

کمرے کے پچھلی طرف دیوار تھی۔ دائیں بائیں سمت ایک ایک روشن دان تھا۔ آخر تینوں پھر ان کے پاس آ گئے۔

"ہم صرف روشن دان سے کام لے سکتے ہیں۔"

"لیکن اونچائی زیادہ ہے۔ اس طرف سے تو خیر کسی نہ کسی طرح تم میں سے کوئی روشن دان تک پہنچ جائے گا، لیکن دوسری طرف چھلانگ کیسے لگائی جا سکتی ہے؟" انسپکٹر جمشید فکرمندانہ انداز میں

دوسری طرف تھیں۔ وہ ان پر بھی چھلانگ نہیں لگا سکتا تھا، لیکن چھلانگ تو لگانا ہی تھی۔ آخر اس نے آنکھیں بند کیں۔ خدا کو یاد کیا اور چھلانگ لگا دی۔ اس کے دھڑام سے گرنے کی آواز ان تینوں نے بھی سنی۔ گرتے ہی محمود کو یوں لگا، جیسے اس کی ٹانگیں جسم میں دھنس گئی ہوں۔ چند سیکنڈ تک اسے زمین گھومتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے بے ہوش ہو جائے گا۔ اس نے فرش کو اس طرح دونوں ہاتھوں سے تھام لیا جیسے اگر اس نے نہ تھاما تو وہ نیچے سے نکل ہی تو جائے گا۔ آخر چند منٹ بعد اس نے اپنے ہوش بحال ہوتے محسوس کیے۔ وہ آہستہ آہستہ اٹھا لیکن پھر گر پڑا۔ گھٹنے کام نہیں کر رہے تھے۔ اس نے سوچا، یوں تو کام نہیں چلے گا؛ چنانچہ وہ دروازے کی طرف گھسٹنے لگا۔ پھر نزدیک پہنچ کر نصف دھڑ سے اوپر اٹھا اور چٹخنی کھول دی۔ فوراً ہی انسپکٹر جمشید، فاروق اور فرزانہ اندر داخل ہوئے اور اس پر جھک گئے۔

"کیا حال ہے محمود؟"

"میرے حال کو چھوڑیں، پہلے دروازہ بند کر لیں۔" اس نے بڑی آواز پر بمشکل قابو پاتے ہوئے کہا۔

انسپکٹر جمشید، فاروق اور فرزانہ دنگ رہ گئے۔ محمود کی ہمت کی داد دینا پڑتی۔ ایسے میں بھی اسے اس بات کی پروا نہیں تھی کہ اس کی کیا حالت ہے، بلکہ اسے یہی فکر تھی کہ دوسری طرف سے انہیں کوئی

خطرہ پیش نہ آ جائے، جب کہ اس کا فی الحال کوئی امکان نہیں تھا، کیونکہ بیرونی دروازہ بھی وہ بند کر آئے تھے اور یہ وقت بھی رات کا تھا۔

انہوں نے دروازہ اندر سے بند کیا اور محمود کی طرف متوجہ ہوئے، اس وقت اس نے کہا:

"مجھ سے اٹھا نہیں جا رہا۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ پھر انسپکٹر جمشید نے اس کے گھٹنوں کی مالش شروع کر دی۔ فاروق اور فرزانہ نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ پندرہ منٹ کی مسلسل مالش کے بعد محمود اس قابل ہوا کہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔

"اس کمرے کا دروازہ اندر سے بند رہتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مونتاف ہی اسے آ کر کھولتا ہے۔ وہ بھی صرف ضرورت کے وقت اور خود وہ دوسرے کمرے میں بیٹھتا ہے۔ یعنی ان دونوں کمروں میں بھی کوئی خفیہ راستہ موجود ہے۔ اس راستے کے ذریعے ہی ہم مونتاف کے کمرے میں جا سکتے ہیں۔ اور ایک بار ہم اس کمرے میں پہنچ جائیں پھر سمجھو ہم نے میدان مار لیا۔"

"ٹھیک ہے، ہم کوشش شروع کرتے ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"محمود، تم ایک کرسی میں آرام سے بیٹھے رہو۔ تم اپنے حصے کا کام کر چکے ہو۔" انسپکٹر جمشید نے محمود کو بیٹھتے دیکھ کر کہا۔

"جی بہتر۔ لیکن اگر میں بیٹھے بیٹھے کچھ کام کر سکوں تو کیا حرج ہے؟" وہ مسکرایا۔

"بیٹھے بیٹھے، وہ کیسے؟" وہ چونکے۔

"میں اپنا دماغ لڑاؤں گا کہ خفیہ راستہ کہاں ہو سکتا ہے۔ اسے کیسے دریافت کیا جا سکتا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"ہاں، یہ ٹھیک رہے گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

انہوں نے بغور کمرے کا جائزہ شروع کیا۔ ایک ایک چیز کو دیکھا بھالا۔ دیواروں کو تھپتھپایا۔ فرش کو ٹھوک بجا کر بھی دیکھا، لیکن خفیہ راستے کے کوئی آثار نظر نہ آئے۔ لیکن بھلا انہوں نے مایوس ہونا کب سیکھا تھا۔ ناکامی کے احساس کو دور رکھتے ہوئے کام میں جتے رہے۔ ادھر محمود ہر طرف نظریں دوڑا رہا تھا۔ اس سلسلے میں اسے اپنی کرسی کو بھی گھمانا پڑ رہا تھا، لیکن اسے اپنی تکلیف کا ذرہ برابر بھی خیال نہیں تھا۔ کمرے میں ایک طرف غسل خانہ بھی تھا۔ آخر اس کی نظریں غسل خانے پر جم گئیں۔

"سارا زور کمرے پر ہی نہ صرف کرنا چاہیے۔ اس غسلخانے کو بھی دیکھ لیں۔" آخر اس نے کہا۔

"ہاں، یہ بھی ہماری نظر میں ہے۔ میں نے سوچا تھا، اسے بعد میں دیکھیں گے۔ لیکن اب تمہارے خیال سے اتفاق کرتا ہوں۔ فاروق، تم ذرا غسل خانے میں چلے جاؤ۔"

"جی بہت بہتر۔" اس نے کہا اور غسل خانے میں گھس گیا۔

یہ جدید قسم کا غسل خانہ تھا۔ نہانے کا لمبا چوڑا ٹب آدھے غسل خانے کو گھیرے ہوئے تھا۔ فاروق کھڑا اسے گھورتا رہا، پھر اس نے پانی کے نل اور اس کی ٹوٹیوں کا جائزہ لیا۔ ایک ٹوٹی کو گھمانے سے گرم پانی نکلا۔ دوسری کو گھمانے سے سرد پانی۔ تیسری شاور کی تھی۔ ٹب فرش کے ساتھ نہیں تھا، بلکہ فرش کے اوپر بنایا گیا تھا۔ اچانک فاروق کو ایک خیال آیا۔ وہ غسلخانے کے دروازے پر آیا اور بولا:

"میری سمجھ میں ایک بات نہیں آ رہی۔"

"پرانی بات ہے، کوئی نئی بات کرو۔" فرزانہ نے برا سا منہ بنایا۔

"آخر اس کمرے میں غسل خانے کی کیا ضرورت، یہاں تو لوگ بہت ہی تھوڑے وقت کے لیے آتے ہیں، بات کرتے ہیں اور رخصت ہو جاتے ہیں، یا پھر مونٹانا کے آدمی نقدی وغیرہ لاتے ہیں۔ اور یہاں ڈھیر کر جاتے ہیں۔"

"بات تو معقول ہے۔ واقعی اس کمرے میں غسل خانے کی ضرورت نہیں تھی۔ ارے، کیا غسل خانے میں دوسرے کمرے کا دروازہ تو نہیں کھلتا۔ میرا مطلب ہے یہ مشترکہ غسل خانہ ہو، یعنی دونوں کمروں کے لیے۔" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"اس کے باوجود میں یہ کہوں گا کہ اس کمرے کے لیے غسلخانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" فاروق بولا۔

"ہاں' تم ٹھیک کہتے ہو' لیکن ملحقہ دروازے سے مونٹاٹ آنے
جانے کا کام تو لے ہی سکتا ہے۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے غسل خانے
کے دروازے کی طرف بڑھے۔ فاروق بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔ محمود
اور فرزانہ اس کی حرکت پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکے، لیکن انسپکٹر جمشید
نے تو جیسے کوئی دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ اندر آتے ہی انہوں
نے غسل خانے کا جائزہ لیا۔ اتنی دیر میں محمود اور فرزانہ بھی اندر آ
گئے۔ محمود کو ایسا کرنے کے لیے کرسی سے اٹھنا پڑا؛ تاہم اندر آ
کر وہ ٹب کے کنارے پر بیٹھ گیا۔ جلد ہی انسپکٹر جمشید نے
دروازے کا جائزہ لیا۔ کمرے میں آنے کے بعد انہوں نے بلب
جلا لیا تھا، کیونکہ اب اس حد تک احتیاط کی ضرورت نہیں تھی۔
پورے کارخانے میں انہیں ان دو چوکیداروں کے علاوہ اور کوئی
بھی نظر نہیں آیا تھا۔ اس لیے انہوں نے بلب جلا کر ٹارچ جیب
میں رکھ لی تھی۔ دروازے کے ساتھ ہی کمرے کی دیوار تھی، اس کے
دوسری طرف ایک قدم بڑھتے ہوئے انسپکٹر جمشید بولے۔

"مونٹاٹ والے کمرے کا دروازہ غسل خانے میں اسی جگہ کھلنا
چاہیے۔" یہ کہہ کر انہوں نے دیوار کو تھپتھپایا۔ دوسرا لمحہ
حیران کن تھا۔ ان کا ہاتھ ٹھوس دیوار کے بجائے لکڑی کی دیوار سے
ٹکرایا تھا اور آواز بھی لکڑی کی ہی آتی تھی۔

"ارے، یہاں تو واقعی دروازہ موجود ہے۔" ان کے منہ سے نکلا

انداز میں نکلا۔

"ہاں۔ لیکن یہ کھلے گا کیسے؟" فرزانہ بولی۔

"کم از کم ہلانے سے تو کھلے گا نہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ابا جان' یہ ٹب تو گھومنے والا لگتا ہے' جیسے آج کل جدید
کرسیاں ہوتی ہیں۔" اسی وقت محمود کی آواز ان کے کانوں
سے ٹکرائی۔

"کیا مطلب؟" وہ چونک کر اس کی طرف مڑے۔

"میرے بیٹھنے سے یہ کچھ گھومتا ہوا سا معلوم دیا ہے۔" محمود
بے یقینی کے عالم میں بولا۔

"تمہیں وہم ہو گیا ہے یا پھر چھلانگ لگانے کی وجہ سے تمہیں چکر
آیا ہو گا۔" فاروق نے جھلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"آؤ' تم بھی بیٹھ کر دیکھ لو۔"

اس سے پہلے کہ فاروق آگے بڑھتا، انسپکٹر جمشید ٹب کے
پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور گھمانے
کی کوشش کی۔ دوسرے ہی لمحے ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔
ٹب نہایت آسانی سے گھوم گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی دیوار
میں اس جگہ ایک دروازہ نمودار ہو گیا جس جگہ انسپکٹر جمشید نے
دروازے کا خیال ظاہر کیا تھا۔ اس حصے کا رنگ و روغن بالکل
دیوار جیسا تھا اور دروازے کا سرا پہلے دروازے کی چوکھٹ

پیچھے چھپا ہوا تھا۔ جب وہ کھلا تو یہ بات ان کی سمجھ میں آئی
اور پھر ان کی نظریں موشاف کے کمرے میں جم کر رہ گئیں۔۔۔ وہ
اندر داخل ہونا بھی بھول گئے۔

اندازے کی دعوت

کمرے کے فرش پر ایک فٹ موٹا فوم کا گدا بچھا تھا۔ یہ گدا
کمرے کی لمبائی اور چوڑائی کے برابر ہی تھا۔ گدے کے بیچوں بیچ
فوم کی ہی بنی ہوئی سیاہ رنگ کی ایک آرام کرسی موجود تھی؛
گویا موشاف آکر اسی کرسی پر بیٹھتا تھا۔ کمرے کے چاروں طرف
مائیک کی قسم کے آلے لگے ہوئے تھے۔ کرسی کے سامنے آبنوس
کی لکڑی کی تپائی تھی، یعنی نصف دائرے کی شکل کی تپائی۔ اس
پر تین ٹیلی فون رکھے تھے۔ شیشے کا ایک ایش ٹرے اور سگاروں کا ڈبا
بھی موجود تھا۔ ایش ٹرے میں چند سگار مسلے ہوئے تھے۔

"آؤ بھئی، اندر چلیں۔۔۔ آخر ہم غسل خانے میں کب تک کھڑے
رہیں گے۔" انسپکٹر جمشید کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔

پھر وہ کمرے میں داخل ہو گئے۔۔۔ اب انہیں دوسرے کمرے
کا منظر صاف نظر آیا۔ درمیانی دیوار واقعی اندھے شیشے کی تھی۔

"تو مسٹر موشاف یہاں بیٹھتا ہے۔۔۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ

اس کمرے میں آتا کس طرح ہے؟" محمود بولا۔

"یہ معلوم ہونے کی دیر ہے، پھر ہم سارا کیس حل کر لیں گے"

انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اس موقع پر میں آپ سے ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں

ابا جان" فاروق نے سوچ میں گم لہجے میں کہا۔

"ضرور پوچھو"

"آپ نے اب تک موشات کی شخصیت کے بارے میں کوئی

اندازہ قائم کیا ہے یا نہیں"

"اندازے تو خیر ضرور لگائے ہیں، لیکن یہ ضروری نہیں کہ

وہ درست بھی ہوں"

"تو کیا آپ ہمیں نہیں بتائیں گے؟"

"نہیں، تم خود بھی اپنے اپنے اندازے قائم کر لو — اور چاہو

تو مجھے بتا بھی دو — حالات اور واقعات سب ہمارے ذہنوں میں

ہیں۔ ان حالات سے ہی میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ موشات

کون ہے؟ میں تمہیں بھی اندازہ لگانے کی دعوت دیتا ہوں"

"یہ بھی عجیب دعوت ہے" فاروق بولا۔

"شکر ہے، تم نے یہ نہیں کہا، یہ تو کسی ناول کا نام ہو

سکتا ہے" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"یہ نام ذرا لمبا لگے گا، ورنہ میں یہ جملہ ضرور کہتا" فاروق بولا

"یہ تم ہر وقت جلے بھنے کیوں لگی ہو؟" محمود نے اسے گھورا۔

"جلتی ہے ......"

"اس کی جوتی" فاروق نے جملہ مکمل کر دیا اور فرزانہ اسے

کھا جانے والی نظروں سے گھورنے لگی۔

"ان باتوں کی بجائے ہمیں وہ راستہ تلاش کرنا چاہیے، جس

سے موشات یہاں تک آتا ہے" انسپکٹر جمشید جھلا کر بولے۔

انہوں نے اس کمرے کے بھی ایک ایک انچ کا جائزہ شروع

کیا۔ ان کے خیال کے مطابق خفیہ راستہ سامنے کی دیوار میں ہو

سکتا تھا — یا پھر فرش میں، لیکن فرش میں ہونے کا امکان اس

لیے کم تھا کہ اس پر قوم کا اتنا بھاری اور لمبا چوڑا گدا بچھا تھا۔

اب موشات ہر روز وہ گدا اٹھا کر تو کمرے میں داخل ہوتا نہیں ہو

گا، لہذا دروازہ دیوار میں ہی ہو سکتا تھا، چنانچہ دیوار کو ٹھونک بجا

کر دیکھا گیا اور ایک جگہ آواز کچھ کھوکھلی محسوس ہوئی — لیکن دروازہ

کھلنے کا کوئی ذریعہ نظر نہ آیا — اچانک فاروق کو ایک خیال آیا۔

اس نے چونک کر کہا۔

"ابا جان، موشات جب اس کمرے میں آتا ہو گا تو دوسرے

کمرے کی چٹخنی گرانے سے پہلے اسے غسل خانے میں جانا پڑتا ہو گا اور

اس کام کے لیے اسے پہلے غسل خانے والا یہ دروازہ کھولنا پڑتا ہو گا

دوسری طرف سے تو یہ دروازہ شب کے ذریعے کھلا ہے، یہ دیکھئے

چاہیے کہ اس طرف سے دروازہ کس طرح کھلتا ہے۔"

"ہوں، بات تو ٹھیک ہے۔ اس مرتبہ تو تم لوگ مجھ سے دو ہاتھ آگے ہی جا رہے ہو۔ خیر یہ اچھی بات ہے۔" انسپکٹر جمشید نے خوش ہو کر کہا۔

پھر انھوں نے دروازہ بند کر کے دیکھا۔ اس طرف اس میں چٹخنیاں نظر آئیں؛ گویا رخصت کے وقت مونشات اس طرف سے چٹخنیاں لگا دیتا تھا۔

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔"

تو پھر اس کمرے کا خفیہ راستہ کسی اور طرح کھلتا ہوگا۔ ٹھہرو میں اس کرسی کا جائزہ لے لوں۔" انسپکٹر جمشید بولے اور جا کر کرسی میں بیٹھ گئے۔ انھوں نے چاروں طرف دیکھا۔ اس دوران فاروق اور فرزانہ تپائی کا جائزہ لینے لگے۔ محمود اب فوم کے گدے پر بیٹھ گیا تھا۔ وہ خود میں اب بھی کمزوری محسوس کر رہا تھا؛ تاہم اس کی نظریں چاروں طرف ناچ رہی تھیں۔ فوم کے گدے کو تپائی کے مطابق کاٹا گیا تھا؛ گویا تپائی فرش میں نصب تھی۔ انھوں نے اس کے آس پاس سے وزنی گدا اٹھا کر دیکھا تو نیچے چکنا فرش نظر آیا۔ کرسی بہت چوڑی تھی اور ایک ہاتھی جیسے ڈیل ڈول کے لیے بنی تھی۔ انسپکٹر جمشید نے اسے اچھی طرح ٹٹولا، دیکھا بھالا، لیکن کچھ تپائی میں بھی کچھ نہ نکلا۔

"ابا جان، اس موقعے پر میرا جی ایک بات کہنے کو چاہ رہا ہے۔" محمود بول اٹھا۔

"تو کہہ کیوں نہیں دیتے۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"آپ نے ٹب کو ابھی نصف ہی گھمایا تھا کہ غسل خانے کا دروازہ کھل گیا۔ کیوں نہ اسے پورا گھما کر دیکھا جائے۔"

"تمھارا مطلب ہے کہ اس کمرے کا دروازہ بھی ٹب سے کھل ہوگا۔"

"میرا خیال تو یہی ہے، لیکن یہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔"

"خیر، ایسا کر کے دیکھنے میں کوئی حرج نہیں۔" یہ کہہ کر وہ کرسی سے اٹھے۔ غسل خانے کا دروازہ کھولا اور ٹب کے پاس پہنچ کر اسے پوری طرح گھما دیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ حیران رہ گئے۔ کرسی کے پیچھے ایک دروازہ کھل گیا۔ وہ دوڑ کر دروازے کے پاس پہنچے۔ انھوں نے دیکھا، سیڑھیاں نیچے جا رہی تھیں۔

"وہ مارا۔" محمود، فاروق اور فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"فاروق، تم نیچے اتر کر ادھر سے دروازہ بند کرنا ذرا۔" انسپکٹر جمشید نے غسل خانے سے کہا۔ وہ ابھی وہیں کھڑے تھے۔ فاروق نے فوراً ان کی ہدایت پر عمل کیا۔ جوں ہی دروازہ بند ہوا، ٹب اپنی اصل جگہ پر آ گیا۔ انھوں نے اسے پھر گھمایا۔ دروازہ ایک بار پھر کھل گیا۔

کی طرف جا رہی ہے۔ گویا یہ ڈبا لفٹ کا کام دیتا ہے۔ لیکن یہ ڈبا
اس طرف کیوں ہے، اسے تو دوسری طرف ہونا چاہیے، کیوں کہ اب
مونتاف اس طرف نہیں ہے۔"

ان کی حیرت کئی گنا بڑھ گئی تھی — حیرت انگیز انتظام تھا:
گویا مونتاف سرنگ میں بھی لفٹ کے ذریعے سفر کرتا تھا اور اس کا
مطلب یہ تھا کہ وہ اس جگہ سے کہیں دور رہتا تھا۔

"آپ کیا سوچ رہے ہیں ابا جان؟"

"پہلی بات تو یہی کہ لفٹ اس طرف کیوں موجود ہے، دوسرے
یہ کہ اب ہم کیا کریں؟"

"ہم دلدل میں سر دے چکے ہیں، اب ڈر کیسا؟" محمود بولا۔

"ہاں لیکن مصلحت بھی کوئی چیز ہے۔ فی الحال اگر ہم یہ خیال ذہن
سے نکال دیں کہ لفٹ اس طرف کیوں موجود ہے، تو ہمارے سامنے
دو راستے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہم مونتاف کے کمرے میں ہی اس کا
انتظار کریں۔ صبح ہونے کے بعد وہ جب بھی آئے، اسے قریب
سے دیکھیں، پھر اسے بتائیں کہ ہم اس کی شخصیت کے بارے میں
جان چکے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس لفٹ میں سوار ہو کر وہاں پہنچیں
جہاں وہ اس وقت سو رہا ہوگا۔ اب بتاؤ، تم کیا کہتے ہو؟"

"ہم اتنی دیر تک انتظار نہیں کر سکتے ابا جان، مارے تجسس
کے ہمارا برا حال ہے، لہٰذا اس لفٹ میں سوار ہو جائیں۔" محمود نے کہا۔

"عجیب کاری گری ہے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے اور پھر کمرے میں
آ گئے۔ درمیانی دروازہ انہوں نے بند کر کے چٹخنیاں لگا دیں اور پھر
خفیہ دروازے پر آئے۔ نیچے جھانک کر دیکھا تو جہاں تک نظر گئی
سیڑھیاں ہی نظر آئیں۔ آگے تاریکی تھی، اس لیے کچھ نظر نہ آیا۔

"خیر بھئی، اب میں ٹھہر نہیں سکتا۔" انسپکٹر جمشید بولے اور نیچے
اتر گئے۔ انہوں نے دیوار کے دائیں اور بائیں دیکھا۔ دائیں طرف بجلی
کا سوئچ نظر آیا۔ بٹن دبایا تو تیز روشنی پھیل گئی۔ اب سیڑھیوں کے
اختتام پر انہیں فرش نظر آیا۔ وہ جلدی جلدی سیڑھیاں اترنے لگے
یہاں تک کہ فرش پر پہنچ گئے۔ اور پھر ان کی نظر ایک عجیب
چیز پر پڑی۔

۵

انہوں نے حیرت بھری نظروں سے اس چیز کو دیکھا۔ یہ لفٹ
ایک ڈبا تھا جو فرش پر کھڑا تھا۔ اس کے ساتھ لوہے کا ایک
موجود تھا، جو تاریکی میں دور کہیں جا رہا تھا۔ بلب کی روشنی
وہاں تک نہیں جا رہی تھی۔ انسپکٹر جمشید نے جیب سے ٹارچ
نکالی اور چند قدم آگے بڑھ کر روشنی ڈالی۔

"اف خدا، یہ تو ایک سرنگ ہے، لمبی سرنگ۔ جو دور

"تم دونوں کیا کہتے ہو؟"

"ہماری بھی یہی رائے ہے۔"

"تو پھر آؤ، اللہ مالک ہے۔" انہوں نے کہا۔

اور چاروں اس لفٹ نما ڈبے میں سوار ہو گئے۔ اندر اس میں صرف دو بٹن لگے نظر آئے۔ انہوں نے ان میں سے اوپر والا بٹن دبایا، لیکن کچھ نہ ہوا۔ پھر دوسرا دبایا، اچانک ڈبا حرکت میں آیا اور لوہے کے رسے پر چڑھنے لگا۔ اس کی رفتار بھی انتہائی تیز تھی۔ انہیں یوں لگا جیسے وہ ہوائی جہاز میں سوار ہوں اور جہاز زمین سے اوپر اٹھ رہا ہو۔

"بھئی واہ، مزا آ رہا ہے۔ اب ہم مونٹاف کا کل تک انتظار کر سکتے ہیں۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"مطلب یہ کہ اس وقت تک ہم اس لفٹ میں سیر کرتے رہیں گے۔"

"توبہ ہے تم سے۔ کیا کل تک تمہارا جی نہیں اکتا جائے گا۔" فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

"مشکل ہے۔ تم دونوں کا اکتا جائے تو کہہ نہیں سکتا۔"

"خیر ہمارے بارے میں تو تم کہہ بھی نہیں سکتے۔" محمود بولا۔

ٹھیک تین منٹ بعد لفٹ رک گئی۔ وہ نیچے اترے۔ انہوں

نے دیکھا، سرنگ بالکل اسی طرح چلی آ رہی تھی، جس طرح انہوں نے سیڑھیوں کے پیچھے دیکھی تھی۔ نیچے اتر کر انہوں نے دیکھا، ان کے سامنے اسی قسم کی سیڑھیاں موجود تھیں۔ جوں ہی وہ لفٹ سے اترے، لفٹ خود بخود واپس جاتی نظر آئی۔

"ارے ارے، یہ کیا، یہ تو جا رہی ہے۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"تو جانے دو۔ اسی لیے یہ ہمیں ادھر نظر آئی تھی۔ میرا خیال ہے، اسے بلانے کے لیے بھی کوئی بٹن دبانا پڑتا ہو گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن کیوں ابا جان، اسے یہاں کیوں نہیں روکا جا سکتا؟" فرزانہ بولی۔

"روکا تو خیر جا سکتا ہو گا۔ ہمیں اترنے سے پہلے دراصل اوپر والا بٹن دبانا چاہیے تھا۔ جلدی میں شاید مونٹاف بھی بٹن دبانا بھول گیا ہو گا، لیکن اس نے کوئی توجہ نہیں دی ہو گی، کیونکہ ایک بٹن دبا کر صرف تین منٹ میں لفٹ واپس منگائی جا سکتی ہو گی۔ آؤ دیکھتے ہیں۔"

سیڑھیوں کے پاس دیوار پر لگے انہیں کچھ بٹن نظر آئے جو ایک بورڈ پر لگے ہوئے تھے۔

"دیکھا، میں نے کہا تھا۔" محمود، میں ذرا تجربہ کر لوں۔"

یہ کہہ کر وہ بورڈ کے پاس گئے — سرنگ میں یہاں بھی روشنی ہو رہی تھی — بلب کا تعلق جس بٹن سے تھا، وہ دبا ہوا تھا — اس کے علاوہ تین بٹن اور تھے — ان میں سے ایک بٹن بالکل اسی قسم کا تھا، جیسا لفٹ میں لگا ہوا تھا — انہوں نے بغیر جھجک کے بٹن دبا دیا اور انتظار کرنے لگے — ٹھیک تین منٹ بعد لفٹ آ کر رک گئی۔ انسپکٹر جمشید نے دروازہ کھولا اور اس کا اوپر والا بٹن دبا دیا۔ اس مرتبہ لفٹ وہیں رکی رہی — یہ دیکھ کر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا اور پھر وہ سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ ان کے دل دھک دھک کر رہے تھے، گویا اب وہ موشاف کی رہائش گاہ تک پہنچ گئے تھے۔ سب سے اوپر والی سیڑھی کے بعد انہیں ایک دروازہ نظر آیا۔ دروازہ بند تھا، لیکن چوکھٹ کے پاس ایک بٹن لگا تھا۔ اسے دباتے ہی دروازہ کھل گیا — وہ دبے پاؤں اندر داخل ہوئے اور پھر وہ اس طرح اچھلے جیسے انہیں بجلی کا جھٹکا لگا ہو۔

آمنے سامنے

کمرے میں ایک مسہری بچھی تھی — مسہری بہت شاہانہ تھی۔ اس پر فوم کا بہت موٹا گدا تھا اور اس گدے پر موشاف سو رہا تھا — اس کے خراٹے کمرے میں گونج رہے تھے — انسپکٹر جمشید نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ موشاف یہ شخص ہوگا — محمود، فاروق اور فرزانہ بھی حیرت زدہ تھے۔ انہوں نے بھی اس شخص کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ اپنے اپنے خیال کے مطابق انہوں نے رائے ضرور قائم کی تھی، لیکن ہر ایک کی رائے غلط ہو گئی تھی۔ وہ چند لمحے ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتے رہے، پھر انسپکٹر جمشید نے انہیں واپس چلنے کا اشارہ کیا — وہ سیڑھیوں پر آئے اور دروازہ بند کر دیا، پھر نیچے آ کر لفٹ میں بیٹھ گئے اور دروازہ بند کر لیا، لیکن انسپکٹر جمشید نے لفٹ کا بٹن نہ دبایا۔

"آپ نیچے کیوں چلے آئے ابا جان؟"

"اس پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے غور کر لینا چاہتا ہوں — معاملہ اتنا آسان نہیں — ہم اس وقت ایک دشمن شہر میں موجود ہیں اور اس

شہر میں قیدیوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر ہم موشاف کو ختم کر دیں یا اس پر قابو بھی پالیں تو بھی یہاں ہماری قیدیوں کی حیثیت ختم نہیں ہو گی، ہمارا اصل مسئلہ تو یہاں سے نکلنا اور پھر حکومت وقت کو خطرے سے آگاہ کرنا ہے۔ اس کے لیے ہمیں کیا محفوظ طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ یہی سوچنے کے لیے میں واپس آگیا ہوں۔" انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

"آپ نے بالکل ٹھیک کیا ابا جان، لیکن اس موقعے پر میں خود حیرت زدہ ہوں اور میرا دماغ کام نہیں کر رہا۔ آخر وہ کیا ترکیب ہونی چاہیے، جس سے سارا معاملہ بخیر و خوبی نبٹ جائے۔" فرزانہ بولی۔

"یعنی سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے، ہینگ لگے نہ پھٹکری رنگ چوکھا آئے۔" فاروق بولا۔

"یہ محاوروں کا نہیں، عقل استعمال کرنے کا وقت ہے۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"اچھا۔" فاروق نے فوراً کہا۔

انسپکٹر جمشید گہری سوچ میں غرق ہو گئے۔ تینوں بھی اپنا اپنا ذہن دوڑانے لگے۔

"کیوں نہ ہم اس پر قابو پالیں اور پستول کے زور پر اس سے متعلقہ محکموں کو فون کرائیں کہ اب ہم پر کوئی پابندی نہیں ہے

اور پھر اس کا کام تمام کر کے یہاں سے نکل چلیں۔ اپنے وطن پہنچ کر ہم اس ملک کے صدر کو پوری تفصیل سنا دیں گے۔" فرزانہ نے ترکیب بتائی۔

"میں نے بھی پہلے یہی سوچا تھا، لیکن اس میں الجھن یہ ہے کہ اگر وہ اڑ گیا اور کہہ بیٹھا کہ کچھ بھی کر لو، وہ فون نہیں کرے گا تو کیا ہوگا، کیونکہ یہ تو وہ بھی سمجھ جائے گا کہ اب ہم اسے زندہ نہیں چھوڑ سکتے۔" انسپکٹر جمشید نے نفی میں سر ہلایا۔

"تب پھر کیا کیا جائے؟" فرزانہ نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"مصیبت یہ ہے کہ ہم اسے گرفتار کر کے یہاں کے حکام کو بھی نہیں بلا سکتے۔ ابھی ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ کون کون سا افسر اس کے ساتھ شامل ہے۔ جب تک ہمیں یہ بات معلوم نہ ہو، ہم ان سے بھی مدد کے لیے نہیں کہہ سکتے۔"

"تب پھر ہم کیا کریں۔ ہم کیا کر سکتے ہیں۔" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"سوچو، ذہن پر زور دو۔ کوئی ایسی ترکیب ہونی چاہیے کہ یہ معاملہ چپ چاپ نبٹ جائے۔" انسپکٹر جمشید نے پر زور لہجے میں کہا۔

اور پھر چاروں گہری سوچ میں گم ہو گئے۔ وہ اپنے دماغوں [illegible] حالات [illegible] رہے تھے۔ اس وقت رات کے تین بج رہے تھے۔

سارا شہر نیند کی آغوش میں تھا اور کسی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس شہر کے قیدی ایک سرنگ میں جاگ رہے ہیں۔ ان کے حواس بھی جاگ رہے ہیں اور جسم بھی ۔۔ اچانک فرزانہ کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی۔ اس نے ایک لمبا سانس لیا اور بولی۔

"مجھے ایک ترکیب سوجھی ہے، اگر اجازت ہو تو بیان کروں۔"

"نہیں فرزانہ، اپنی ترکیب کو ذہن میں محفوظ رکھو، اس پر غور کرتی رہو۔ ابھی مجھے اور فاروق کو بھی سوچنے دو۔ ہو سکتا ہے تھوڑی دیر بعد ہم بھی کوئی ترکیب سوچ چکے ہوں گے، پھر ہم چاروں اپنی اپنی ترکیب سامنے رکھ کر جائزہ لیں گے اور جو سب سے اچھی نظر آئے گی، اس پر عمل کریں گے،" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"میں محمود کی رائے سے اتفاق کرتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔ ڈبے میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی ۔۔ آخر پندرہ منٹ بعد محمود بولا۔

"میں بھی ایک عدد ترکیب سوچ چکا ہوں۔"

"رہ گیا میں، میں ٹھہرا کند ذہن ۔۔ ابھی کچھ منٹ اور لگاؤں گا۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"ضرور لگاؤ، ہمیں کوئی جلدی نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

ٹھیک دس منٹ بعد فاروق نے بھی ترکیب سوچنے کا اعلان کیا اور پھر سب سے پہلے فرزانہ نے اپنی ترکیب بیان کی۔ جونہی خاموش ہوئی، محمود بول اٹھا۔

"وحشت تیرے کی ۔۔ بالکل یہی ترکیب میں نے بھی سوچی تھی۔"

"علیکم لاحول ولا قوۃ، کیونکہ میں نے بھی یہی ترکیب سوچی تھی۔" فاروق نے فرزانہ کو گھورتے ہوئے کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے، تم دونوں کام چور ہو۔ میرے سے کوئی ترکیب سوچی ہی نہیں۔"

"نہیں فرزانہ، محمود اور فاروق جھوٹ نہیں بول رہے۔ سچ بات تو یہ ہے کہ میں نے بھی یہی ترکیب سوچی تھی۔"

"کیا؟" ان کے منہ سے چیخ پڑنے کے انداز میں نکلا۔

○

مونٹاوت کی آنکھ ٹھیک سات بجے کھلی۔ اس نے ایک انگڑائی لی اور پھر گھڑی پر نظر ڈالی ۔۔ وہ روزانہ سات بجے ہی اٹھنے کا عادی تھا۔ ابھی بستر سے اٹھ ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہیلو، کون بول رہا ہے؟"

"آپ کے خاص خادم ۔۔ آپ کے قیدی غائب ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"جن چار قیدیوں کی نگرانی کے لئے آپ نے ہمیں مقرر

تھے، وہ ہوٹل سے غائب ہیں؟"

"لیکن کیسے؟ کیا تم لوگ ہوٹل کی نگرانی نہیں کر رہے تھے؟"

موشاف نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"ضرور کر رہے تھے اور ہم نے ہوٹل سے کسی کو بھی باہر جاتے نہیں دیکھا، لیکن صبح کے وقت جب ہم نے تالے کے سوراخ میں سے جھانکا تو کمرہ خالی نظر آیا۔ ہوٹل میں موجود دوسری چابی سے تالا کھول کر ہم اندر داخل ہوئے، اور اس وقت ہمیں پتا چلا کہ انھوں نے مسہریوں کی نواڑیں کھول کر انھیں آپس میں باندھ کر ایک رسّی بنائی اور پھر اس رسّی کے ذریعے کھڑکی کے راستے نیچے اتر گئے۔ جس طرف وہ اترے، اس طرف کوئی نگرانی کرنے والا نہیں تھا، کیونکہ اس طرف کوئی دروازہ بھی نہیں تھا۔"

"تو وہ تم لوگوں سے زیادہ چالاک ثابت ہوئے۔ خیر اب جلد از جلد ہیڈ کوارٹر کے آس پاس پہنچ جاؤ۔ اگر وہ ادھر کا رخ کرتے نظر آئیں تو کسی طرح بھی اندر داخل نہ ہونے پائیں۔"

"جی بہت بہتر۔" اس نے کہا۔

موشاف نے ریسیور رکھا ہی تھا کہ پھر فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے چونک کر ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو، کون بول رہا ہے؟"

"سامان کے کارخانے کا مینیجر بانی روڈ بات کر رہا ہوں سر۔

رات دونوں چوکیدار آپس میں لڑ پڑے۔ انھوں نے ایک دوسرے کو ڈنڈے مار مار کر ہلاک کر دیا۔ ان کے سر پھٹے ہوئے ہیں۔"

"یہ۔۔۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"جو دیکھا ہے، وہی عرض کر رہا ہوں سر۔"

"صدر دروازہ اندر سے بند تھا یا کھلا؟"

"بند تھا اور اسے کھولنے میں ہمیں بہت وقت پیش آئی۔ الیکٹرونک برمے استعمال کیے گئے، تب کہیں جا کر دروازہ کھلا۔"

"اندر کی اچھی طرح تلاشی لی جائے اور اگر کہیں کسی گڑبڑ کے آثار نظر آئیں تو مجھے فوراً اطلاع دی جائے۔۔۔ آج کوئی بھی شخص آئے، اسے کارخانے میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔۔۔ چاہے وہ کتنا ہی بڑا بیوپاری کیوں نہ ہو۔"

"اوکے سر، آپ کے احکامات کی تعمیل کریں گے۔"

موشاف نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کے چہرے پر الجھن اور پیشانی پر بل تھے، پھر وہ بڑبڑایا:

"صبح ہی صبح دو بُری خبریں۔"

ٹھیک ایک گھنٹے بعد پھر فون کی گھنٹی بجی اور ریسیور اٹھانے پر بانی روڈ کی آواز سنائی دی:

"کارخانے میں کہیں کسی گڑبڑ کے آثار نہیں ہیں جناب۔ ثابت ہوا، دونوں چوکیدار ایک دوسرے کے ہاتھوں ہی ہلاک

ہوتے ہیں۔ ان میں یوں بھی جھگڑا رہتا تھا اور یہ جھگڑا اس بیگ کی وجہ سے اور بڑھ گیا تھا، جو آپ نے ان میں سے ایک کو دیا تھا۔ میرا مطلب صوفی جبار کے بیگ سے ہے۔ دوسرے کا مطالبہ تھا کہ بیگ کی نصف چیزیں اسے بھی ملنی چاہییں۔"

"اوہ، ضرور یہی بات ہوگی۔۔۔ خیر، ان دونوں کی لاشوں کو دفن کرا دو، اور یہ ہدایت یاد رہے کہ آج کوئی شخص بھی کارخانے میں داخل نہیں ہوگا۔"

"یاد ہے سر۔"

"میں ہیڈ کوارٹر پہنچ رہا ہوں، میری آمد سے پہلے پہلے کل کی رقوم کمرے کے باہر پہنچ جانی چاہییں۔"

"اوکے سر۔"

موزنات نے ریسیور رکھ دیا اور غسل خانے میں گھس گیا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ باہر نکلا اور پھر ایک بٹن دبا کر خفیہ دروازہ کھولا۔ یہ بٹن دیوار میں لگا تھا لیکن نظر نہیں آتا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی وہ سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔ نیچے پہنچ کر اس نے لفٹ کو بلانے کے لیے بٹن دبایا۔ ٹھیک تین منٹ بعد لفٹ آ پہنچی۔ اس کا دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہو گیا اور بٹن دبا دیا۔ لفٹ چل پڑی۔ تین منٹ بعد رک گئی۔ وہ اس سے اترا اور سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر پہنچ گیا۔

اب وہ اپنے کمرے میں تھا۔

اس نے درمیانی دروازہ کھولا اور غسل خانے میں داخل ہوا، پھر دوسرے کمرے میں کھلنے والا دروازہ کھولا اور اس کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے کے دروازے کی چٹخنی گرانے کے بعد واپس فوراً غسل خانے کا دروازہ اندر سے بند کیا اور پھر اپنے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ قوم کی کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے کہا:

"باشی روڈ۔۔۔ میں ادھر موجود ہوں۔۔۔ اب تم رقوم اندر لے آؤ۔"

فوراً ہی دروازہ کھلا اور ایک بھدی سی شکل صورت کا آدمی ایک بھاری بھرکم تھیلا لیے اندر داخل ہوا۔ اس نے تھیلا کمرے کے ایک کونے میں الٹ دیا۔ کونے میں نوٹوں کے بنڈلوں کا ایک ڈھیر نظر آنے لگا۔

"ٹھیک ہے باشی روڈ۔۔۔ کسی نے کارخانے میں داخل ہونے کی کوشش تو نہیں کی؟"

"جی نہیں۔"

"ٹھیک ہے، اب تم جا سکتے ہو۔"

"تھینک یو سر!"

یہ کہتے ہوئے وہ واپس مڑا اور دروازہ کھولتے ہوئے باہر

نکل گیا۔

اب موظفاف ٹیلی فون کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے ایک فون کا ریسیور اٹھایا اور کسی کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ سلسلہ جلد ہی مل گیا :

"ہیلو، کیا رپورٹ ہے ...... ہوں .... ٹھیک ہے .... وہ ہوٹل سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ کرائے کی عمارت کے آس پاس صرف ہماری ٹیکسیاں منڈلائیں گی، تاکہ وہ ہیڈ کوارٹر تک نہ پہنچ سکیں"

پھر اس نے سلسلہ کاٹ کر ایک اور نمبر ملائے۔ اسی طرح وہ تقریباً آدھ گھنٹے تک فون کرتا رہا۔ پھر ریسیور رکھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ دوسرے کمرے میں گیا۔ دروازہ اندر سے بند کیا۔ جیب سے نائیلون کا ستہ کیا ہوا ایک تھیلا نکالا، اسے کھولا اور پھر نوٹ اس میں بھرنے لگا۔

تمام گڈیاں اس میں ٹھونسنے کے بعد غسل خانے میں آیا۔ نصف ٹب گھما کر پہلے دروازہ کھولا اور پھر پورا ٹب گھما دیا۔ خفیہ دروازہ نمودار ہونے پر اپنے کمرے میں داخل ہوا اور دروازہ بند کر کے خفیہ دروازے کی طرف مڑا، پھر اس طرح اچھلا جیسے اسے ہزار وولٹ کا کرنٹ لگا ہو۔

اس کے سامنے اس کے چاروں قیدی کھڑے مسکرا رہے تھے۔ انسپکٹر جمشید کے ہاتھ میں ایک پستول بھی تھا۔ اور حیران کن بات یہ تھی کہ یہ پستول اس کا اپنا تھا۔

دوہری ترکیب

مونتاف کے چہرے پر حیرت کا ایک ایسا عالم تھا کہ شاید ہی
انھوں نے کسی کے چہرے پر دیکھا ہوگا۔ اس کی آنکھیں باہر کو نکلی
پڑ رہی تھیں۔ منہ کھلا ہوا تھا۔ حلق میں بڑا سا گڑھا پڑ گیا تھا
جسم اس طرح ساکت تھا، جیسے زمین میں گاڑ دیا گیا ہو۔ اگرچہ فرش
کے گدے پر کھڑا تھا۔

"ہیلو مسٹر مینیجر، عرف مونتاف، آپ سے اس جگہ مل کر بہت
خوشی ہوئی۔ ہم کئی گھنٹے سے یہاں آپ کا انتظار کر رہے تھے۔
پستول کو اس طرح گھور کر نہ دیکھو، ہم ہوٹل میں تمہارے کمرے تک
بھی ہو آئے ہیں۔ پستول تمہارے کمرے سے ہی اٹھایا تھا اور یہ
دعائیں کرتے رہے ہیں کہ تمہیں پستول کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ خدا
کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ایسا ہی ہوا، پستول کے بغیر ہمارا یہاں آنا
نہ ہوتا۔ ویسے تم فکر نہ کرو۔ ہم تمہارے دونوں سوال حل کر چکے ہیں
لو، اپنے پہلے سوال کا جواب سن لو۔ مونتاف دراصل ہوٹل میون

وہ ہوٹل کا منیجر ہے جس کے ہوٹل میں ہم نے قیام کیا تھا اور پہلی ہی
رات جہاں اس کے اپنے ایک بڑے آدمی یعنی بارن نے جھگڑا کیا
تھا۔ ہم اس آدمی سے جھگڑ پڑے تھے، پھر تم یعنی مونتاف ہمارے
کمرے میں آ گیا تھا اور ہمیں ایک کارڈ دے کر مونتاف کے
آدمیوں سے بچنے کی ترکیب بتائی تھی اور ایسا اس نے ہماری بہادری
سے متاثر ہو کر کیا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ ہم لوگ کام کے آدمی
ہیں، ہم سے کام لیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح مونتاف صاحب، آپ
نے ایک شخص صوفی جبار کو ایک دن مونتاف کے آدمیوں سے بچایا تھا،
کیونکہ مونتاف کے پاس بھلا اپنے کارڈوں کی کیا کمی۔ صوفی جبار اس
کا احسان مند ہو گیا اور پھر اس نے صوفی جبار کو اپنے دوستوں میں
شامل کر لیا۔ وہ یہاں اکثر آنے جانے لگا، لیکن ایک دن جب کہ
وہ مونتاف کے کمرے میں بیٹھا اس سے باتیں کر رہا تھا تو مونتاف کو
کوئی خبر موصول ہوئی۔ مونتاف کو فوراً اپنے آدمیوں کو فون کرنا
پڑا۔ یہ فون اسے صوفی جبار کے سامنے ہی کرنا پڑا۔ صوفی جبار
چونک اٹھا۔ اس وقت تک وہ مونتاف کے بارے میں بہت کچھ سن
چکا تھا۔ جب وہ فون کرکے فارغ ہوا تو صوفی جبار نے اس سے
پوچھا کہ کیا وہی مونتاف ہے۔ اب مونتاف کس طرح انکار کر سکتا۔
اس نے اسے پستول کی زد پر لے لیا اور پھر خفیہ راستے کے ذریعے
اپنے ہیڈ کوارٹر والے کمرے میں لے گیا۔ وہاں اس نے اپنے

خادم کو بلایا، یہ خادم ہپناٹزم کا ماہر تھا۔ اس نے اسے ہدایات دیں
کہ اس شخص کی شخصیت کو بدلنا ہے۔ بلکہ اس کے چہرے کے نقوش
بھی بدلنے ہیں۔ اور یہ کہ اسے کمزور ترین یادداشت کا مالک بنا دیا
جائے۔ اس کے نقش و نگار بھی نقلی آدمیوں جیسے بنا دیے جائیں
چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ صوفی جبار غائب ہو گیا۔ کرائے کی عمارت
سے ہو کر اتفاق سے مونٹاف کی ہی تھی۔ صوفی جبار کا سامان اٹھا
لیا گیا۔ سامان مونٹاف نے اپنے چند آدمیوں میں تقسیم کر دیا اور
اس طرح کپڑوں کا ایک بیگ صابن کے کارخانے کے چوکیدار کے
ہاتھ آیا۔ یہ بیگ صبح سے پہلے تک چوکیدار کے کمرے میں موجود
تھا، اب معلوم نہیں۔ صوفی جبار کی یادداشت ہپناٹزم کے ذریعے
غائب کر دی گئی، اسے ایک نئی شخصیت دے دی گئی۔ پلاسٹک سرجری
کے ماہروں نے اس کے چہرے کے نقوش بالکل بدل دیے، لیکن
مسٹر مونٹاف! میں آپ کو بتاؤں۔ ہپناٹزم کے ماہر اور پلاسٹک سرجری
کے ماہر اس کی ایک بچپن کی عادت کو نہ بدل سکے۔ وہ شاید بدل
بھی دیتے، لیکن انہیں تو اس عادت کا پتا ہی نہیں تھا اور اگر
پتا ہوتا تو بھی بھلا وہ اسے بدلنے کی کوشش کیوں کرتے۔ انہیں
کیا معلوم تھا کہ اس شخص کی تلاش میں ایسے لوگ آنے والے ہیں
ان سے ٹکرا جائیں گے۔ میں نے عادت اور واقعات کی کڑیاں جوڑ
کر یہ سب حالات سنائے ہیں۔ اگر کہیں مجھ سے اندازے کی غلطی

ہوئی ہو تو مجھے ٹوک دینا۔ اور ہاں، یہ بتانا تو بھول ہی گیا کہ وہ
کون سی بچپن کی عادت تھی، جس نے مجھے چونکایا۔ صوفی جبار کی
ایک خاص عادت تھی۔ وہ باتیں کرتے کرتے اچانک اپنے بائیں
ہاتھ کی شہادت کی انگلی دائیں ہاتھ سے پکڑ کر دائیں کان کی لو
کھینچ لیا کرتا تھا۔ اس کی یہ عادت میں نے اکثر نوٹ کی تھی،
چنانچہ جب میں رابرٹ اینڈ کو کے دفتر میں صوفی جبار کے بارے
میں معلوم کرنے کے لیے واجو ڈین سے ملا اور اس نے یہی حرکت
کی تو میں بری طرح چونک گیا۔ میرا دل پکار پکار کر کہنے لگا کہ
یہی صوفی جبار ہے۔ اسی لیے میں اس کے فلیٹ میں اس سے
جا کر ملا، لیکن اسی وقت ہمیں مونٹاف کے آدمیوں نے گرفتار
کر لیا۔ مونٹاف، ہماری کارگزاریوں سے پریشان ہو گیا تھا۔
ہوٹل کے ہال میں ہماری بہادری نے اسے متاثر کیا، پھر جب ہم
کمشنر صاحب سے ملے تو وہ چونکا، پھر پولیس چیف سے ملے تو گھبرا
گیا کہ ہم لوگ حرکت میں آ گئے۔ اس کے بعد ہم مختلف روزگار کے
ذریعے رابرٹ اینڈ کو گئے اور وہاں براہ راست صوفی جبار سے جا
ملے، پھر ہم نے اس سے اس کی رہائش پر ملنے کا وعدہ کیا
تو مونٹاف سے رہا نہ گیا اور اس نے ہماری گرفتاری کا حکم دے
دیا، چنانچہ ہمیں ہیڈ کوارٹر لے جایا گیا۔ وہاں ہمارے سامنے ایک
عجیب و غریب شرط رکھی گئی۔ ہم نے اس کی شرط منظور کر لی اور پھر

موشاف نے ہماری صلاحیتوں کو اور آزمانا چاہا تھا، تاکہ ہم اس کے اس حد تک کام آ سکیں کہ اس کا کوئی خاص آدمی بھی نہ آیا ہوگا، لیکن موشاف کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کا واسطہ دراصل اس ملک کے دوست ملک کے انسپکٹر جمشید اور ان کے بچوں سے پڑ گیا ہے۔"

"نہیں!" موشاف کے منہ سے پہلی مرتبہ خوف زدہ انداز میں نکلا۔

"ہاں مسٹر موشاف۔ میں نے تمہارے دونوں سوالوں کے جواب دے دیے ہیں۔ اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"تم ـــ تم لوگ اپنے وطن جا سکتے ہو۔ اپنے دوست صوفی جہار کو بھی لے جا سکتے ہو۔ میری تم لوگوں سے کوئی دشمنی نہیں۔" اس نے فوراً کہا۔

"مسٹر موشاف! مجھے چکر دینے کی کوشش نہ کرو۔ یہ شہر مکمل طور پر تمہارے قبضے میں ہے اور تم پورے ملک پر قبضہ کرنے کا خواب دیکھ رہے ہو۔ کیوں یہی بات ہے نا۔ ادھر ہم نکلیں گے ادھر تمہارے آدمی ہمیں موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ پھر تم یہ کب چاہو گے کہ تمہارا راز دوسرے شہروں تک پہنچ جائے۔ [illegible] لے اس کے لیے ایک دوسری ترکیب [illegible]" انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"جلدی بتاؤ، مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے۔" اس نے بے قراری کے عالم میں کہا۔

"فاروق، ذرا ادھر میرے قریب آ جاؤ۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی فرمائیے؟" فاروق نے ان کے نزدیک پہنچتے ہوئے کہا۔

"یہ پستول سنبھال لو۔ مسٹر موشاف کا ٹھیک دل کا نشانہ لیے رہنا۔ اگر یہ حرکت کرنے کی کوشش کریں تو تم ان کی دائیں ٹانگ بے کار کر سکتے ہو۔ یہ پھر بھی باز نہ آئیں تو بائیں ٹانگ۔"

"جی بہتر۔" فاروق نے پستول پھرتی سے اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ اس دوران ان سب کی نظریں موشاف پر جمی رہی تھیں۔

"ہو سکتا ہے، مسٹر موشاف یہ خیال کریں کہ تمہیں پستول چلانا کیا آتا ہوگا، لہٰذا انہیں یقین دلانے کے لیے تم ان کے کان کی دائیں لو اڑا سکتے ہو۔"

"جی بہت بہتر۔" فاروق نے کہا اور اس کے کان کی لو کا نشانہ لینے لگا۔

"نہیں نہیں، ایسا نہ کرنا۔ میں جانتا ہوں، تم لوگ بہترین نشانے باز ہو۔ میں نے تم لوگوں کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے۔ میں پہچان نہ سکا، ورنہ آج تم اس حالت میں دکھائی دیتے ہوتے ہی تمہیں کوئی موقع ہی نہ دیتا۔" اس نے گڑگڑا کر کہا۔

"خیر، اب تو پہچان لیا ہے نا۔ اچھا فاروق، اس کے کان کی

لو، فون کرو۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے جیب سے ایک کاغذ نکالا۔ اسے
تپائی پر رکھا اور خود موشاف کی کرسی پر بیٹھ گئے۔

"مسٹر موشاف، فضائی کمپنی کا فون نمبر کیا ہے؟" انہوں نے فون
کے ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ موشاف نے نمبر بتا دیا۔
انہوں نے اس کے بتائے ہوئے نمبر ڈائل کیے۔ موشاف حیران تھا
کہ وہ کرنا کیا چاہتے ہیں۔ سلسلہ ملتے ہی انسپکٹر جمشید کے حلق سے
آواز نکلی:

"ہیلو، میں موشاف بول رہا ہوں۔ جن چار آدمیوں کے بارے
میں یہ ہدایات دی گئی تھیں کہ ان کی بکنگ نہ کی جائے، اب ان
پر سے پابندی اٹھائی جا رہی ہے۔ وہ جب چاہیں، جس فلائٹ سے
چاہیں جا سکتے ہیں؟"

"اوکے سر۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور انسپکٹر جمشید نے
ریسیور رکھ دیا۔ اب انہوں نے موشاف کی طرف دیکھا۔ اس کا مارے
حیرت کے برا حال تھا۔ وہ اپنی آواز انسپکٹر جمشید کے حلق سے نکلتی
سن رہا تھا۔

"اُف خدا! میری آواز کی اتنی زبردست نقل۔"

"مسٹر موشاف! میں اگر چاہوں تو ہمیشہ کے لیے موشاف بن
جاؤں، لیکن میں ایسا نہیں کروں گا، کیونکہ مجھے ایسا کرنے کی ضرورت
بھی تو نہیں ہے۔ ہاں، اب اس آدمی کے نمبر بتاؤ، جسے تم نے

ہماری نگرانی کا کام سونپا ہے۔"

موشاف نے پھر نمبر بتایا۔ انہوں نے نمبر گھمائے اور فوراً ہی
دوسری طرف سے آواز آئی:

"ہیلو سر۔"

"میں ان چاروں پر سے پابندی ختم کر رہا ہوں۔ تم بھی ان کی
نگرانی ختم کر دو، بلکہ ان کے راستے میں اگر کوئی رکاوٹ آ جائے
تو ان کی مدد کرو۔"

"اوکے سر۔" اور انہوں نے پھر ریسیور رکھ دیا۔

"لو بھئی موشاف صاحب، اب ہم بالکل آزاد ہیں۔ ہمیں کرنا صرف
یہ ہے کہ خفیہ راستے سے تمہارے ہوٹل والے کمرے میں داخل ہوں
اور وہاں سے نکل کر فضائی کمپنی جائیں۔ فون کر کے ہی بکنگ کرا لیں
اور بس، لیکن سوال یہ ہے کہ ہم تمہارا کیا کریں؟"

"ایک منٹ ابا جان، اس سے پہلے یہ سوچنا چاہیے کہ
آپ صوفی جہاد صاحب کا کیا کریں گے۔ انہیں کس طرح ساتھ لے
جائیں گے، جب تک کہ ان کی یادداشت واپس نہ آ جائے اور
ان کا اصلی چہرہ انہیں واپس نہ مل جائے۔"

"یہ تو ماہر ہی بتا سکیں گے کہ اب انہیں ان کا اصلی چہرہ
مل سکتا ہے یا نہیں، انہیں ساتھ لے جانے کے بارے میں تم فکر
نہ کرو۔ اس کا طریقہ میں نے طے کر لیا ہے۔" یہ کہہ کر وہ [illegible]

کی طرف مڑے:

"ہاں تو مسٹر مونتاف، جلدی بتاؤ، ہم تمہارا کیا کریں۔"

"مجھے، تم مجھے چھوڑ دو۔ میں تم لوگوں کے راستے میں روڑا نہیں اٹکاؤں گا۔" مونتاف ہکلایا۔

"واہ بھئی، بھلا یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ ایک بار ہم باہر نکل گئے تو تم اپنے منصوبے پر عمل نہیں کر سکو گے، لہٰذا تم ہمیں کس طرح جانے دے سکتے ہو۔" انہوں نے مسکرا کر کہا، پھر بولے:

"خیر میں تمہیں ایک ترکیب بتاتا ہوں۔ پہلے تم یہ بتاؤ، کمشنر صاحب بھی تمہارے کنٹرول میں ہیں؟"

"ہاں، مکمل طور پر۔ جو لوگ میری شکایت لے کر اس کے پاس جاتے ہیں، وہ انہیں پناہ کے بہانے میرے پاس ہی بھیج دیتا ہے۔" اس نے بتایا۔ اس پر انسپکٹر جمشید بولے:

"اور پولیس چیف؟"

"اس کی حیثیت تو میرے غلاموں کی سی ہے۔ میں نے حکومت کا تختہ الٹے جانے کے بعد ان سے بڑے بڑے عہدوں کا وعدہ کر رکھا ہے۔"

"ہوں، تو یہ بات ہے۔ اسی لیے یہاں کسی کی کوئی پیش نہیں جاتی۔ ہاں تو میں نے تمہارے بارے میں یہ سوچا ہے کہ ہم تمہیں ختم

کر کے سرنگ میں ڈال دیں، کیونکہ تمہاری موت ہی ہمیں زندگی کا پیغام دے سکتی ہے۔ تمہاری زندگی ہمارے لیے صرف اور صرف موت ہے۔"

"نہیں نہیں، میں وعدہ کرتا ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی انسپکٹر جمشید نے فاروق کو گولی چلانے کا اشارہ کیا۔ گولی چلی، لیکن دھماکا نہیں ہوا۔ پستول بے آواز تھا۔ مونتاف کا دھڑ کسی دیوار کی طرح گرا اور اسے تڑپنے کی بھی مہلت نہ مل سکی، کیونکہ گولی ٹھیک دل پر لگی تھی۔

اسے اٹھا کر تہ خانے تک لے جانا بھی آسان کام نہیں تھا۔ وہ بہت وزنی تھا۔ جیسے تیسے کر کے وہ نیچے تک لے ہی گئے اور پھر وہاں سے وہ ہوٹل والے کمرے میں آ گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ لفٹ کے ذریعے نیچے اتر رہے تھے۔ ہال میں موجود مونتاف کے چند آدمیوں نے انہیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا، لیکن چپ چاپ بیٹھے رہے۔ انہوں نے کاؤنٹر سے فضائی کمپنی کو فون کیا اور انہیں فوراً ہی فلائٹ کی بکنگ کے بارے میں معلومات مہیا کر دی گئیں۔ گویا اب ان پر کوئی پابندی نہیں تھی۔

دوسرے دن وہ ہوائی جہاز میں اپنے ملک کی طرف اڑے جا رہے تھے، لیکن صوفی جہاد ان کے ساتھ نہیں تھا اور اسی بات نے محمود، فاروق اور فرزانہ کو پریشان کر رکھا تھا۔ آخر انسپکٹر جمشید نے

ان ؒ سے کہا۔

"صوفی جبار کو ہم اسی وقت کسی طرح بھی ساتھ نہیں لے جا سکتے — میں جاتے ہی اپنے صدر صاحب سے بات کروں گا — وہ اس ملک کے صدر کو فون پر سارے حالات بتائیں گے اور وہ جب کچھ بھی بتائیں گے جو ہم کر چکے ہیں؛ چنانچہ حالات پر فوری طور پر قابو پا لیا جائے گا اور صوفی جبار کا علاج ہپناٹزم اور پلاسٹک سرجری کے ماہر کریں گے۔ جب وہ اپنی پہلی حالت پر آ جائے گا تو اسے سرکاری طور پر ادھر بھیج دیا جائے گا۔ کیوں کیسا پروگرام ہے۔"

"نہایت اچھا، کاش! ایسے اچھے پروگرام بنانے ہمیں بھی آ جائیں اور ایسے اندازے لگانے بھی جو آپ نے انکل صوفی جبار کے بارے میں لگائے۔ مولانا آپ کے کسی اندازے کو بھی نہیں جھٹلا سکا۔" فاروق نے سرد آہ بھری۔

"اور یہ سب کچھ صرف صوفی جبار کے بچپن کی ایک عادت کی وجہ سے ہوا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اوہ ہاں، واقعی — اس عادت کے بارے میں تو ہمیں معلوم ہی نہیں تھا ورنہ ہم شاید بہت کچھ اندازے لگا لیتے۔" فرزانہ چونک کر بولی۔

"ارے ہم سفارت خانے کے آفیسر کو تو بھول ہی گئے۔"

"اوہ ہاں — انہیں بھی صوفی جبار کے ساتھ ہی بلا لیا جائے گا اگرچہ اب شاید وہ آنے کی ضرورت محسوس نہ کریں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"گویا قصہ ختم ہوا، لیکن یہ قصہ تھا بہت خوف ناک، سچ تو یہ ہے کہ ایک بار تو میرا بھی دم گھٹنے لگا تھا، یہ سوچ کر کہ کہیں اب ہمیں ہمیشہ کے لیے اسی شہر میں نہ رہنا پڑ جائے۔" فرزانہ نے سکون کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"اور وہ ڈاکٹر تو رہ ہی گیا جو راجہ ڈین کا علاج کرنے کے لیے آیا کرتا تھا۔" محمود کو اچانک خیال آیا۔

"بھئی صاف بات ہے، وہ ہپناٹزم کا ماہر تھا اور اس وقت راجہ ڈین کو ہپناٹزم کے زیر اثر لا کر یہی ہدایت دینے آیا تھا کہ وہ ہم پر حملہ کر دے — اور اسی غرض کے لیے وہ پاپ خود ہی وہاں چھوڑ آیا تھا۔"

"مجھے تو نیند آ رہی ہے۔ مسلسل جاگنا...؟"

فاروق جاگنا کے بعد جب کچھ نہ کہہ سکا تو انھوں نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا اور یہ دیکھ کر مسکرائے بغیر نہ رہ سکے کہ وہ واقعی سو چکا تھا۔

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۸۰

زرد لفافہ

— مصنف اشتیاق احمد —

- ان کے دروازے پر دستک ہوئی۔
- دستک کیا ہوئی، ایک ہنگامہ شروع ہو گیا۔
- مرتے ہوئے ایک آدمی کے آخری الفاظ حد درجے عجیب تھے۔
- یہ الفاظ انہیں کہاں لے گئے۔
- محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید کو اپنی زندگی کی عجیب ترین جنگ لڑنا پڑی۔
- فاروق کا کارنامہ آپ مدتوں نہیں بھولیں گے۔

قیمت : ۵/۵۰

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۸۱

پُرہول سازش

— مصنف : اشتیاق احمد —

- خان رحمان کے ہاں ایک پُر اسرار ملاقاتی کی آمد۔
- ملاقاتی کی آمد ظہور کو بہت مہنگی پڑی۔
- فاروق اور ظہور کی کار میں گفت گو۔
- ایک شخص کی کہانی جو سونے کی کانیں خریدتا پھر رہا تھا۔
- فاروق کا منتر آپ اس ناول میں پہلی بار دیکھیں گے۔
- آخر میں آپ کو حیرتوں کا سامنا کرنا ہوگا۔

قیمت : ۵/۵۰

آئندہ ناول کی ایک جھلک

آفتاب، آصف، فرحت اور انسپکٹر کامران مرزا سیریز نمبر ۲۳

بن بُلائے مہمان

مصنف : اشتیاق احمد

- ہوٹل کے ہال میں ایک شخص کی جیب سے گرنے والی چیز نے انہیں اپنی طرف متوجہ کر لیا۔
- ایک مالدار آدمی کے گھر ایک پارٹی منائی جا رہی تھی۔
- تینوں اس پارٹی میں کس طرح شریک ہوئے۔ آپ ہنسے بغیر نہیں رہیں گے۔
- آخر میں انسپکٹر کامران مرزا راز سے پردہ اٹھاتے ہیں۔

قیمت : ۵/۵۰

آئندہ ناول کی ایک جھلک

شوکی سیریز نمبر ۴

عجیب کیس

مصنف : اشتیاق احمد

- ایک شخص ان کے پاس ایک عجیب کیس لے کر آیا تھا۔
- اس شخص سے انہیں کچھ ملنے کی بھی امید نہیں تھی۔
- اس کے باوجود وہ کیس کو ہاتھ میں لینے پر تیار ہو گئے۔
- اس کیس نے انہیں نئی الجھنوں میں مبتلا کر دیا۔
- شوکی اینڈ برادرز ایک عرصہ پہلے ہونے والے گھناؤنے جرم سے پردہ اٹھاتے رہیں۔

قیمت : ۵/۵۰

ماہ جولائی ۷۳ء میں شائع ہونے والے چھٹے عظیم الشان

خاص نمبر کے اشتہار کی ایک جھلک :

- خاص نمبر کا نام ابھی مجھے خود بھی معلوم نہیں۔
- ناول کے صفحات تقریباً ۴۵۰
- ناول تین حصوں میں شائع ہوگا۔
- اس بار کا خاص نمبر گزشتہ خاص نمبروں سے قطعاً مختلف ہوگا۔ گزشتہ خاص نمبروں جیسی اس میں کوئی بات نہیں ہوگی۔
- تاہم دونوں پارٹیاں شامل ہوں گی۔ اتنا ضرور ہے۔
- اپنی نوعیت کا واحد ناول ہوگا۔ آپ نے اس سے پہلے اتنا عجیب و غریب ناول کبھی نہیں پڑھا ہوگا۔
- اصل جھلکیاں آئندہ ماہ کے ناولوں میں شائع ہوں گی۔ اشتہار کی اس جھلک کو آپ پیش خیمہ تصور کریں۔
- خاص نمبر کا انعام صرف دو ہزار روپے نقد ہوگا۔ سب سے

— پہلے موصول ہونے والے درست جواب پر ۱۰۰۰/- روپے کا نقد انعام۔

— دوسرے درست جواب پر ۵۰۰/- روپے۔

— بقیہ ۵۰۰/- روپے اس کے بعد موصول ہونے والے درست جوابات میں برابر برابر تقسیم کیے جائیں گے۔

- انعام ہر حال میں دیا جائے گا، چاہے ایک جواب بھی درست موصول نہ ہو، اس صورت میں کس طرح تقسیم کیا جائے گا یہ بعد کی بات ہے۔
- آج ہی اپنی کاپی بک سٹالوں پر محفوظ کرا لیجیے۔ ہو سکتا ہے مقررہ تاریخ پر آپ سٹال پر جائیں اور آپ ٹھینگا دکھا دیا جائے اور آپ ہاتھ ملتے رہ جائیں۔
- خاص نمبر کی قیمت مبلغ ۲۲/۵۰ روپے ہوگی۔ ابھی جمع کرنا اور بک سٹالوں پر جمع کرانا شروع کر دیجیے۔

مکتبہ اشتیاق راجپوت مارکیٹ اردو بازار لاہور

خطوط کے آئینے میں

پہلے تین خط انعامی قرار پائے۔۔ انعامی پیکٹ روانہ کیے جا رہے ہیں۔

پیارے انکل اشتیاق السلام علیکم۔

آپ صرف اپنا الو سیدھا کرنے سے مطلب رکھتے ہیں۔ اچھی کھال میں مست ہیں۔ آپ کا خون بھی شاید سفید ہو گیا ہے۔ جو خط لکھتا ہوں مختصر سا جواب دیتے ہیں، آخر خون کے گھونٹ پی کر چپ ہو جاتا ہوں، لیکن آپ کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی، مگر آخر کب تک؟ اب ہماری آنکھوں میں بھی خون اتر آیا ہے۔ آپ کو ایسا سبق دیں گے کہ آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔۔ دراصل کچھ بچوں نے آپ کو رائی کا پہاڑ بنا دیا ہے، لیکن ہم آپ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے اور اینٹ کا جواب پتھر سے دیں گے۔

آپ کے ناولوں کی قیمت آسمان سے باتیں کر رہی ہے۔ ہم لوگ نہ جانے کیسے کیسے پاپڑ بیل کر ناول خریدتے ہیں، لیکن آپ ٹس سے

مس نہیں ہوتے۔ آپ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں پھر آپ خود ہی بغلیں جھانکنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ یہ خط پڑھ کر یقیناً آپ کے تن بدن میں آگ لگ جائے گی اور آپ انگاروں پر لوٹیں گے، لیکن خط کی کڑوی مگر سچی باتوں پر غور کے بعد آپ پانی پانی ہو جائیں گے اور آپ کے پیروں تلے سے زمین نکل جائے گی، پھر آپ ہر ناول پھونک پھونک کر لکھنے کی کوشش کریں گے، لیکن پانی سر سے گزر چکا ہوگا، تب ٹھنڈا پانی پینے سے کیا حاصل ہوگا۔ ہمیں سبز باغ دکھانے کا انجام بہت بھیانک ہوگا۔ اس وقت ناک رگڑنے سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

پیارے انکل، آپ آستینیں نہ چڑھائیں، میرا ابھی دست و گریبان ہونے کا کوئی ارادہ نہیں۔ یہ خط لکھ کر میرا مقصد آپ کو آٹھ آٹھ آنسو رلانا نہیں تھا، بلکہ میں تو آپ کا غم غلط کرنا چاہتا تھا۔ اب چھاتی پر پتھر رکھ کر اجازت چاہتا ہوں۔ ڈر ہے کہ خط طول نہ پکڑ جائے اور مجھے لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ چاند پر خاک ڈالنے کی بہت بہت معافی چاہتا ہوں۔

فقط آپ کا لنگوٹیا: ہارون عیسیٰ ۹/۱ ڈی ایف، ناظم آباد کراچی

ج: بہت بہت شکریہ۔ آپ نے مجھے میری اوقات یاد دلا دی۔

پیارے بھیا اشتیاق احمد! السلام علیکم۔

ایک عرصہ ہوگیا اشتیاق کے ناول پڑھتے ہوئے۔ اس سے ہی اشتیاق
چاہا کہ اشتیاق سے ملاقات کی جائے۔ اب یہ الگ بات ہے کہ ملاقات
آمنے سامنے ہو یا بذریعہ خط۔ پھر اشتیاق کے ہاتھوں مجبور ہو کر
خط تو اشتیاق کو لکھ دیا، لیکن اب یہ تو خدا ہی جانتا ہے کہ اشتیاق
یہ خط اشتیاق کی نظر سے دیکھتا ہے یا نہیں۔ جیسا کہ کسی نے کیا خوب
کہا ہے، مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے۔ وہی ہوتا ہے جو منظور
خدا ہوتا ہے۔ اس ماہ کے ناول بے حد اشتیاق سے پڑھے۔ ہم بڑے
حیران ہوئے کہ اشتیاق نے ناول کم کیوں کر دیے ہیں، پھر پتہ چلا کہ
اشتیاق کو حج کا اشتیاق ہو گیا ہے۔ ویسے اشتیاق صاحب، یہ خط
اشتیاق سے چھاپیں گے یا نہیں، اگر نہیں تو اشتیاق سے اپنی ردی
کی ٹوکری کو دے دیجیے۔ کیونکہ وہ ایسی چیزیں بہت اشتیاق سے کھاتی
ہے۔

فقط ایک پرستار: محمد ابوبکر آفتاب قریشی۔ ملٹری ڈیری فارم
کوئٹہ چھاؤنی۔

محترم اشتیاق احمد آداب عرض۔
پہلی بار خط لکھ رہا ہوں اور وہ بھی چھپ کے۔ امی ناولوں کی
سخت مخالف واقع ہوتی ہیں، اس لیے خط چھپا کر لکھ رہا ہوں، ورنہ
خدا کا شکر ہے کہ بچ گیا، ورنہ آج میرے تربوز جیسے سر کو سب

تربوزوں کی شکل میں دیکھئے۔ اب ذرا ناولوں کے بارے میں بات ہو
جائے۔ ویسے اگر ... عام باتیں کرتا تو آپ جھلا اٹھتے۔ انگارے
چبانے لگتے۔ ابھی کی آمد نے دماغ میں گھنٹیاں بجا بجا کر وہ دماغ
خراب کیا کہ بس۔ باقی دوسرے ناول بھی گیجیٹ میں اچھے اترے۔ اب
آپ واقعی: جھلا اٹھیں گا کیونکہ میں آپ کا دماغ نہیں خراب کرنا
چاہتا بس اب پھر ملیں گے: پڑھیے گا، خط ختم کر رہا ہوں، تربوز نہیں
فقط: توصیف احمد۔ ۷۰ چراغ پارک شاد باغ، لاہور

اشتیاق بھائی، السلام علیکم۔
آج آپ کے ناولوں کا پارسل ملا۔ آج کی کتابیں پڑھ کر دم بخود
رہ گیا۔ قوت گویائی سلب ہو گئی۔ سکتہ بھی طاری ہو گیا۔
شوکی سیریز لکھنے پر ہزار بلکہ لاکھ بار مبارک باد قبول فرمائیں۔
کردار تو پہلے بھی ہم پڑھ چکے تھے، یعنی قلمی ایسا ناول تھا کہ معلوم
ہوتا تھا جیسے ہماری فرمائش پر لکھ دیا ہے۔ میری تو سمجھ میں یہ بھی
نہیں آ رہا کہ تعریف کہاں سے شروع کروں۔ "میں" کا کردار یعنی آپ کا
سب سے کامیاب اور اچھا کردار رہا، جب کہ آفتاب بھی نمایاں رہا اور یہی
یہ بات بہت مزا دیتی رہی کہ آپ جابجا بول کر رہ جاتے تھے۔ اشتیاق
اور اخلاق کا کردار کچھ کم رہا، لیکن قلمی طور پر ناول کی شان سے
رہا۔ کہیں جھول نہیں تھا۔ سراسر بہت چلتا ہوا اور دلچسپ ترین ناول۔

کہانی میں کہیں کوئی ایسی ویسی بات نہیں تھی۔ آپ لوگوں کی باتیں دلچسپ اور معنی خیز تھیں۔

والد صاحب کا کردار اچھا رہا، لیکن آپ انہیں اسی طرح ذرا حوبی انداز میں دکھاتے جس طرح سونے کی کتاب میں۔ والدہ اپنے کردار میں پوری طرح حاوی رہیں اور ان کا یہ کہنا کہ "توبہ توبہ" بہت بھایا۔ امید ہے شوکی برادرز انسپکٹر جمشید سے بھی زیادہ مقبول ہوں گی۔

فقط: سید علی نجمی زیدی۔ ناظم آباد، کراچی

اشتیاق انکل آداب:

آپ کی چار کتابیں پڑھیں۔ خصوصاً شوکی برادرز کو پڑھ کر بہت مزا آیا، لیکن ایک بات ہے کہ آپ بہت مغرور ہوتے جا رہے ہیں، کسی خط کا جواب نہیں دیا، شاید اس لیے کہ ہم لاہور سے دور رہتے ہیں۔ یہ میرا چوتھا خط ہے۔ شوکی برادرز کا جواب نہیں، اس میں آفتاب اور شوکی کا کام پسند آیا۔ آپ کی کہانیاں حب الوطنی، رشوت خوری اور دوسری برائیوں کی مکمل عکاسی کرتی ہیں اور آپ اختتام بھی دکھاتے ہیں۔ آخر میں ہماری دعا ہے کہ آپ اسی طرح کہانیوں کے ذریعے بچوں کے دلوں میں حب الوطنی ابھارتے رہیں اور غلط کاموں سے نفرت پیدا کرتے رہیں۔ آمین۔

محمود علی مکان نمبر ۱۰۰۳ پرانا بروز خاد جیدگاہ، کورنگی

جناب اشتیاق احمد السلام علیکم۔

آج طویل عرصے کے بعد آپ کو خط لکھنے کا قصد کیا ہے۔ اس طویل غیر حاضری کی وجہ میرے امتحانات تھے، مگر یہ نہ سمجھیں کہ میں نے آپ کو بھلا دیا ہے، یہ تو کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ میں نے خاص نمبر ذرا دیر سے پڑھا۔ اب معلوم نہیں، آپ مجھے انعامی مقابلے میں شامل کرتے ہیں یا نہیں، لیکن یہ جان کر خوشی ہوا کہ نتیجے کا اعلان آئندہ ماہ کی کتابوں میں ہوگا۔ خاص نمبر واقعی خاص تھا۔ اس بار کے ناول بھی اچھے تھے، لیکن شوکی برادرز کا تو جواب ہی نہیں تھا۔ اب تو آپ کو اس کے لیے ضرور وقت نکالنا ہوگا۔ شوکی برادرز پڑھ کر تو اس زمانے کی یاد تازہ ہو گئی جب محمود، فاروق اور فرزانہ ابھی بچے تھے اور آپ نے نیا نیا لکھنا شروع کیا تھا۔ وہ بھی کیا زمانہ تھا۔ خیر، ایک بات ذہن میں رہے، اگر آپ نے شوکی وغیرہ کو بھی مافوق الفطرت بنا دیا تو لطف ختم ہو جائے گا۔ شکریہ۔

مقصود محمود سی/۲۵۵ شیلا منٹ ٹاؤن، گوجرانوالہ

ج: سچا تو میں واقعی یہی تھا کہ آپ نے مجھے بھلا دیا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ غلط سمجھا تھا۔

جناب اشتیاق احمد السلام علیکم۔

میں نے آپ کا تحریر کردہ خاص نمبر پڑھا، جو کہ کافی اچھا تھا

تھا۔ آپ جیسے کہنہ مشق ادیب سے توقع نہیں تھی کہ ویسا ناول لکھیں گے
وہ باتیں ہمیشہ کی طرح دور تھیں۔ مہربانی فرما کر محاوروں کا خول توڑ کر
کچھ اپنے ذہن سے بھی وہ باتیں لکھ دیا کریں۔ خاص نمبر کے انعامی
سوال کا جواب ارسال کر رہا ہوں۔

فقط۔ محمد ہاشم رشید زنجی ۳۰۱-آر بلاک ۲۰ فیڈرل بی ایریا کراچی

پیارے چھوٹے انکل آداب!

سجائے رکھتے ہیں چہرے پر جو ہنسی کی کرن
نہ جانے روح میں کتنے شگاف رکھتے ہیں

میرے چھوٹے سے انکل! سدا قلم دواتوں سے کھیلتے رہو اور ہمارے
لیے اچھے اچھے ناول لکھتے رہو، ہر چھ ماہ بعد خاص نمبروں کی صورت
میں بے چینی پھیلاتے رہو اور اپنے پرستاروں کو بڑے بڑے انعام
دلاتے رہو۔ خدا حافظ!

یاسمین یاسر کھوکھر مکان نمبر ۱۱۰۵۔ ایس۔ ۹ بلاک ۱۲ سرگودھا